Monthly : 35/-
Yearly : 350/-

ماھنامہ

اعلیٰ حضرت

بریلی شریف

گوشہ ادارت

۱۔ کلام الامام امام الکلام

۲۔ پیغام

۳۔ متھرا کاشی باقی ہے؟

مستقل کالم

۱۔ باب التفسیر

۲۔ باب الحدیث

۳۔ فتاویٰ منظر اسلام

خوان مضامین

۱۔ قرآن کریم اور ذکر شفاعت

۲۔ ملفوظات خواجہ/خواجگاں کی جلوہ باریاں

۳۔ مفتی اعظم اور مسئلہ جماعت وتر

۴۔ علامہ فضل حق خیرآبادی۔ علم وعمل کا حسین سنگم

۵۔ بابری نامہ (پہلی قسط)

۶۔ فتنۂ الحاد کا تعارفی وتنقیدی جائزہ

۷۔ اسلام کا عقیدۂ قضا وقدر

۸۔ عاشق رسول علامہ سردار احمد قادری

مدیر اعلیٰ

(مولانا) محمد سبحان رضا خاں "سبحانی میاں"

شعبان المعظم | ۱۴۴۳ھ

مارچ | ۲۰۲۲ء

پیغام

حامدا و مصلیا ومسلما!

ہمارے ملک کے اندر اس وقت مسلمانوں کے مذہبی، مسلکی، سماجی، معاشی، تعلیمی اور سیاسی حالات نہایت انحطاط اور زبوں حالی کے دور سے گزر رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے کی حالت کافی ناگفتہ بہ ہو چکی ہے۔ ہماری بچیاں روز بروز غیروں کے چنگل میں پھنس کر ارتداد کا شکار ہو رہی ہیں۔ ہمارے مقامات مقدسہ کو ہر روز نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ بابری مسجد کے بعد ملک کی نہ جانے کتنی دیگر مسجدوں، مزاروں اور قبرستانوں پر متعصب ذہنیت رکھنے والے زعفرانی ٹولوں کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔ مذہبی اداروں کا دینی تشخص ختم کرنے کے لیے کورٹ کچہریوں کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ مدارس اسلامیہ کے وجود کو ختم کرنے کے لیے ایک منظم اور منصوبہ بند تحریک چل پڑی ہے۔ مسلمانوں کے اوقاف کو ختم کر کے ان پر قبضہ کرنے کی سازش رچی جا رہی ہے۔ مسلم خواتین اور مسلم طالبات کے برقع وحجاب پر آئے دن سیاسی بازار گرم ہو رہا ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو اپنے مستقبل اور اپنی آنے والی نئی نسل کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم مذہبی و مسلکی، سیاسی و سماجی اور تعلیمی و معاشی سطح پر مضبوط نہیں ہوں گے تو اس سرزمین پر ہماری نسلوں کو نہایت بھیانک انجام بھگتنا ہوگا۔ ہر دینی و سماجی ادارے، ہر تنظیم و تحریک اور ہر خانقاہ کو نہایت ہوش مندی و دانشمندی کے ساتھ اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنے دائرۂ اثر میں ان خطرناک حالات سے مقابلہ کرنے کی کامیاب کوشش کرنا ہوگی۔ اپنے معاشرے میں مذہبی و مسلکی بیداری لانے اور اپنی نئی نسل کو، خاص کر نہ سمجھ بچیوں کو مذہبی و مسلکی ماحول مہیا کرانے کی طرف پیش قدمی کرنا ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی آنے والے پارلیمانی انتخابات میں بیدار مغزی کے ساتھ حصہ لینے کی ابھی سے تیاری کرنا ہوگی۔ مذکورہ مضر حالات کے پیدا ہونے میں ایک اہم کردار ہماری سیاسی ناکامی کا بھی ہے۔ اس لیے اپنے اپنے خطوں میں ایسے امیدوار کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں کہ جو مشکل وقت میں آپ کے ساتھ کھڑے رہنے کی جرأت کرتا ہو، آپ کا اور آپ کے شعائر دینیہ کا احترام کرتا ہو، آپ کی اور آپ کے معاشرے کی آواز بلند کرتا ہو، آپ پر ہونے والے ظلم و زیادتی کے خلاف مضبوطی کے ساتھ کھڑا رہتا ہو۔ اس سلسلہ میں کوشش یہ ہونا چاہیئے کہ ہم کسی مخصوص سیاسی جماعت کے مفاد کو پیش نظر رکھنے کے بجائے ذاتی طور پر امیدوار کی حیثیت کو مدنظر رکھیں۔ اگر امیدوار آپ کی کسوٹی پر کھرا اترتا ہو، آپ کے دین و مذہب اور سماجی و تعلیمی معاملات میں مضر نہ ہو تو اسے کامیاب بنانے کی کوشش کریں اور آپ یہ نہ دیکھیں کہ وہ کس سیکولر سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ یہ دیکھیں کہ وہ آپ کا اور آپ کے دین و مذہب کا خیر خواہ ہے کہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ جس خطہ میں کوئی مسلم امیدوار ہے اور اگر اجتماعی طور پر سارے مسلمان اسے ووٹ دے دیں تو وہ کامیاب ہو سکتا ہے تب ایسی صورت میں اپنے اسی مسلم امیدوار کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں خواہ وہ کسی بھی سیکولر سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو۔ بشرطیکہ وہ دین و مذہب کا درد رکھتا ہو۔ کیونکہ پارلیمنٹ میں روز بروز ہماری نمائندگی گھٹ رہی ہے جو نہایت تشویشناک ہے۔ اللہ رب العزت مسلمانان ہند پر رحم فرمائے اور ہمارے دین و مذہب کی حفاظت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ اجمعین۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

خادم مرکز اہل سنت، خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United PRINTERS

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: امام اہلسنت، مجدد دین وملت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ العزیز

ماہنامہ

اعلیٰ حضرت

بریلی شریف

بفیض روحانی
حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ
محمد حامد رضا قادری
علیہ الرحمہ

سرپرست روحانی
احسن العلماء حضرت علامہ
سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں
علیہ الرحمہ
مارہرہ شریف

بفیض کرم
مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ
محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری
علیہ الرحمہ

بانی رسالہ
مفسر اعظم حضرت علامہ
محمد ابراہیم رضا قادری
''جیلانی میاں'' علیہ الرحمہ

زیر سایۂ کرم
ریحان ملت حضرت علامہ شاہ
محمد ریحان رضا نوری قادری
علیہ الرحمہ

جلد نمبر ۶۴ رشمارہ نمبر ۳

شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ
مارچ ۲۰۲۴ء
March 2024

مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ ریحان ملت، حضرت مولانا الحاج الشاہ
محمد سبحان رضا قادری ''سبحانی میاں'' مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

نائب مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج
محمد احسن رضا قادری مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

مجلس شوریٰ

حضرت مفتی محمد شمیم اشرف ازہری خطیب اعظم ماریشس
حضرت مولانا ازہر القادری صاحب لندن
حضرت مولانا صفی احمد صاحب رضوی انگلینڈ
حضرت مولانا محمد فروغ القادری صاحب انگلینڈ
حضرت مولانا محمد محسن صاحب انگلینڈ
حضرت مولانا محمد مسعود خوشتر صاحب ماریشس
حضرت مولانا عبد الجبار صاحب رحمانی پاکستان
حضرت مولانا قاری غلام محی الدین صاحب انگلینڈ
عالی جناب محترم طارق بھٹی صاحب موریشس
عالی جناب الحاج نوشاد علی جواتا، ماریشس

مجلس ادارت

مدیر	حضرت علامہ قاری عبدالرحمٰن خان قادری بریلوی
مدیر اعزازی	حضرت مفتی محمد سلیم بریلوی
مدیر معاون	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی کٹیہاری
مرتب	حضرت مفتی محمد انور علی رضوی بہرائچی
تزئین کار	جناب ماسٹر محمد زبیر رضا خاں بریلوی
کمپوزنگ	جناب مرزا توحید بیگ رضوی

کلام الامام - امام الکلام

تمھارے ذرّے کے پرتو ستارہائے فلک
تمھارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک
اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمھاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک
سرِ فلک نہ کبھی تابہ آستاں پہنچا
کہ ابتدائے بلندی تھی انتہائے فلک
یہ مٹ کے ان کی روش پر ہوا خود اُن کی روش
کہ نقشِ پا ہے زمیں پر نہ صوتِ پائے فلک
تمھاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم ہوئے بند دیدہائے فلک
نہ جاگ اٹھیں کہیں اہل بقیع کچّی نیند
چلا یہ نرم نہ نکلی صدائے پائے فلک
رضاؔ یہ نعت نبی نے بلندیاں بخشیں
لقب زمینِ فلک کا ہوا سمائے فلک

نوٹ: تمام مشمولات کی صحت و درستگی پر مجلس ادارت کی گہری نظر رہتی ہے پھر بھی اگر کوئی شرعی غلطی راہ پا جائے تو آگاہ فرما کر اجر کے مستحق بنیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی قریبی شمارے میں تصحیح کردی جائیگی۔

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

ماہنامہ اعلیٰ حضرت
۸۴ سوداگران بریلی شریف

Monthly Alahazrat
84, Saudagran, Bareilly Sharif
Pin-243003
Contact No.
(+91)-0581- 2575683, 2555624 (Fax) 2574627
(Mob) (+91)-9359103539
E-mail:mahanamaalahazrat@gmail.com
E-mail:subhanimian@yahoo.co.in

ماہنامہ اعلیٰ حضرت انٹرنیٹ پر پڑھنے کے لئے
visit us: www.aalahazrat.in

چیک یا ڈرافٹ بنام

MAHNAMA ALA HAZRAT
A/c No.
0043002100043696
Punjab National Bank Civil Lines Bareilly

زر سالانہ ممبر شپ

فی شمارہ:	35/-
زر سالانہ:	350/-
بیرون ملک:	35$ / امریکی ڈالر

کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی بریلی کورٹ ہی میں قابل سماعت ہوگی (ادارہ)

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر اور ایڈیٹر "مولانا سبحان رضا خاں" نے رضا برقی پریس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اعلیٰ حضرت سوداگران بریلی شریف سے شائع کیا۔

نوٹ: ادارہ کا مراسلہ نگار کی تحریر یا مضمون سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

گوشہ ادارت

۱۔کلام الامام امام الکلام	حسان الہند امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ	۳
۲۔پیغام	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۲
۳۔متھرا کاشی باقی ہے؟	اداریہ از قلم مدیر اعزازی محمد سلیم بریلوی	۵

مستقل کالم

۱۔باب التفسیر	مولانا ابرار الحق رحمانی	۱۲
۲۔باب الحدیث	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۱۳
۳۔فتاویٰ منظر اسلام	حضرت علامہ مفتی محمد احسن رضا قادری	۱۴

خوان مضامین

۱۔قرآن کریم اور ذکر شفاعت	مولانا شمس الدین رضوی	۱۵
۲۔ملفوظات خواجۂ خواجگاں کی جلوہ باریاں	شہزادۂ فقیہ ملت مفتی ازہار احمد امجدی	۲۴
۳۔مفتی اعظم اور مسئلہ جماعت وتر	مفتی فواد رضا مظہری بریلوی	۳۰
۴۔علامہ فضل حق خیر آبادی۔علم وعمل کا حسین سنگم	مولانا شہاب الدین رضوی	۳۹
۵۔بابری نامہ (پہلی قسط)	مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی	۴۷
۶۔فتنۂ الحاد کا تعارفی وتنقیدی جائزہ	مولانا مبشر رضا لاہوری	۵۲
۷۔اسلام کا عقیدۂ قضاوقدر	مولانا اظہر القادری راعینی	۵۵
۸۔عاشق رسول علامہ سردار احمد قادری	نائب محدث اعظم ابوداؤد مفتی محمد صادق قادری	۵۹

منظوم کلام

۱۔مل کر ہے بچانا یہ چمن	مولانا سلمان فریدی	۲۲

خبریں

۱۔آہ! اسیر مفتی اعظم حاجی محمد رفیق رضوی نہ رہے	محمد سلیم بریلوی	۲۳
۲۔شہزادۂ مظہر اعلیٰ حضرت مفتی معصوم الرضا بھی چل بسے	محمد سلیم بریلوی	۴۶

متھرا کاشی باقی ہے؟

اداریہ:-مفتی محمد سلیم بریلوی، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

متعصب زعفرانی طبقہ کا عروج: تقسیم ہند سے بہت پہلے ہی ہندوستان کے متعصب ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ سرزمین ہندوستان پر اپنی مذہبی بالا دستی کے لیے کوشاں تھا۔ایک طرف ہندوستان کے سنجیدہ باشندے انگریزوں سے ہندوستان کو آزاد کرانے کی جد و جہد میں مصروف تھے تو وہیں دوسری طرف یہ متعصب طبقہ انگریزوں سے مل کر ہندوستان کی حکومت حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا۔ پوری تاریخ آزادی ہند پڑھ لیجئے آپ کو کہیں بھی اس زعفرانی طبقہ کی شمولیت نظر نہیں آئے گی۔اس وقت ملک کا اکثریتی طبقہ نہایت سنجیدہ اور بھائی چارگی کے جذبے سے کافی حد تک لبریز تھا۔اس لیے اس وقت اس زعفرانی ٹولے کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔مگر ہندوستان جب آزاد ہو گیا اور سرزمین ہند سے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ پڑوسی ملک ہجرت کر گیا تو یہاں مسلمان اقلیت میں ہو گئے۔جو رہ بھی گئے تھے وہ بھی بہت زیادہ پُر عزم اور حوصلہ مند نہیں تھے۔ بلکہ رہ جانے والوں میں زیادہ تر تعداد غریبوں، پسماندہ لوگوں اور مزدوری کرنے والوں کی تھی۔نہ ان کے پاس خاطر خواہ دینی و دنیوی تعلیم تھی اور نہ ہی جاہ و منصب۔نہ ان کے پاس بھاری بھرکم صنعت و تجارت تھی اور نہ ہی بہت زیادہ سیاسی و سماجی طاقت وقوت۔اب چونکہ یہاں کی حکومت سازی کا دار و مدار انتخابات اور ووٹوں پر تھا اس لیے ظاہر سی بات ہے کہ اقلیت میں رہنے والوں کو اکثریت کے سامنے کمزور ہونا ہی تھا۔یہی وجہ ہے کہ تقسیم ہند کے بعد سرزمین ہند پر رہ جانے والے مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں پچھڑتے ہی چلے گئے۔یہ وقت وہ تھا کہ جس میں ہندوستان کا متعصب زعفرانی طبقہ سیاسی اعتبار سے مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا تھا۔

تقسیم ہند سے پہلے ملک کے اکثریتی طبقہ کی مذہبی حیثیت بہت زیادہ زوال پذیر تھی۔مذہب اور مذہبی رسم و رواج سے انہیں کوئی زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔اس کے برخلاف مسلمانان ہند اپنے مذہب کے تعلق سے نہایت حساس اور سنجیدہ تھے۔وہ ہر حال میں دین و مذہب اور شریعت کی بالا دستی کے لیے کوشاں رہتے۔وہ ہر کام دین و مذہب اور شریعت کی روشنی میں کرنے کے دلدادہ تھے۔ ہندوستان کے اکثریتی طبقہ کا متعصب اور زعفرانی گروہ بہت زمانہ سے اس ملک میں اپنے مذہبی رسم و رواج کے عروج واحیا کا خواہاں تھا مگر لاکھ کوششوں کے باوجود اس طبقہ کو خاطر خواہ کامیابی نہیں مل پا رہی تھی۔ جس کی وجہ سے مذہب کی آڑ لے کر میدان سیاست میں کامیابی حاصل کرنے کا اس کا خواب پورا نہیں ہو پا رہا تھا۔اس لیے یہ طبقہ کسی ایسے موقع کا متلاشی تھا کہ جس کی آڑ میں وہ اکثریتی طبقہ کے اندر مذہبی جنون پیدا کر کے اپنی سیاسی طاقت وقوت حاصل کر لے اور پھر حکومتی طاقت وقوت کے ذریعہ وہ اس ملک میں اپنے مذہب اور اپنے مذہبی رسوم و رواج کی بالا دستی قائم کر دے۔

بابری مسجد قضیہ: تلاش بسیار کے بعد ہندوستان کے صوبہ

اتر پردیش میں واقع ''ایودھیا'' نامی شہر کو اس طبقہ نے اپنا مرکز توجہ بنا لیا۔ حالانکہ ''ایودھیا'' نامی یہ شہر ایک زمانہ میں مسلمانوں کی اکثریتی آبادی والا شہر تھا جس کے اندر انگریزی حکومت سے پہلے تک ۶۷ رفیصد آبادی مسلمانوں کی تھی جس کی وجہ سے اسے ''مسلم نگری'' اور ''ولیوں کا شہر'' کہا جاتا تھا۔ بلکہ شہر ''ایودھیا'' ایک زمانہ میں مسلمانوں کے ایک مقدس شہر کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ اس شہر ''ایودھیا'' میں مسلمانوں کی بڑی مسجدوں کی تعداد ۱۰۰، چھوٹی مسجدوں کی تعداد ۵۴، اللہ کے ولیوں کے مزارات کی تعداد ۲۲ اور ۱۰۰ قبرستان تھے جن کے آثار آج تک موجود ہیں۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ آج بھی شہر ایودھیا کے کئی بڑے محلوں کے نام پیغمبروں اور اللہ والوں کے نام پر ہیں۔ جیسے نبی نوح محلّہ، نبی شیث محلّہ، محلّہ شاہ قلندر، شمس الدین محلّہ، سید ابراہیم نگری، سید شاہ محلّہ۔

شہر ایودھیا میں جو درگاہیں بہت زیادہ مشہور ہیں ان کے نام یہ ہیں:

سید شاہ مقدس کی درگاہ، تین درویشوں کی درگاہ، شیخ ثمن شاہ بابا کی درگاہ، شیث کی درگاہ، مخدوم شاہ درگاہ، شاہ جمال درگاہ، شاہ قلندر درگاہ، جمال الدین قاضی درگاہ، قاضی محی الدین کاشانی درگاہ، زین الدین علی درگاہ، کمال الدین اودھی درگاہ، درگاہ نوح علیہ السلام، سید محمد ابراہیم کی درگاہ، شہید مرتابا کی درگاہ، شمس الدین فریاد درگاہ، فتح اللہ شاہ درگاہ، کجروی کی درگاہ، سید علاء الدین قرسانی کی درگاہ، سلطان موسیٰ درگاہ، علاء الدین علی درگاہ، شیخ فتح اللہ اودھی درگاہ، جمال الدین غازی درگاہ۔

مسلمانوں کے ان مذکورہ مقامات مقدسہ سے وابستہ بے شمار آراضی بھی تھی جن میں سے زیادہ تر آراضی کو حکومت، محکمۂ آثار قدیمہ اور ملک کے اکثریتی طبقہ نے اپنی تحویل میں لے رکھا ہے۔ انگریزی دور حکومت تک وہ شہر جس میں بڑی تعداد مسلمانوں کی تھی، جہاں ہر وقت اذانیں گونجتی تھیں، جہاں قدم قدم پر بزرگان دین کی بڑی بڑی خانقاہیں، تعلیمی و تربیتی ادارے اور مزارات مقدسہ تھے، تقسیم ہند کے بعد آج اس شہر کا حال یہ ہے کہ یہاں کی تقریباً سات لاکھ آبادی میں ۹۳ رفیصد ہندوں ہیں اور محض ساڑھے چھ فیصد ہی مسلمان ہیں۔

مقفل ہونے سے مسمار ہونے تک: اس شہر میں آزادی ہند سے پہلے بھی کئی بار ہندو مسلم فساد ہو چکے ہیں۔ بابری مسجد انگریزوں کے دور حکومت ہی سے اکثریتی طبقہ کے زعفرانی ٹولے کی نگاہوں کا مرکز توجہ بن چکی تھی۔ شروع میں یہاں چبوترہ بنایا گیا پھر آہستہ آہستہ اسے رام جنم بھومی کا نام دے کر مسجد پر قبضہ کرنے کی تگ ودو میں یہ طبقہ لگ گیا۔ وقت بدلتا رہا، ایودھیا کے مسلمان بابری مسجد کے تحفظ کی قانونی لڑائی لڑتے رہے اور پھر ایک دن وہ آیا کہ مسلمانوں کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے قانونی طور پر روک کر اس میں تالے لگا دیئے گئے۔ مسلمان کورٹ کچہری کے چکر ہی کاٹ رہے تھے کہ کانگریس کے وزیر اعظم راجیو گاندھی کے دور میں بابری مسجد کے تالے کھول کر ہندوؤں کو اس میں پوجا پاٹھ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

زعفرانی طبقہ کا جوش و ولولہ: یہی وہ موقع تھا کہ جس کی تلاش میں ہندوستان کے اکثریتی طبقہ کا زعفرانی ٹولہ بہت زمانہ سے سرگرداں تھا۔ موقع مناسب جان کر اس طبقہ نے اسے ایک تحریک کی

شکل دے دی۔ جس نے ہندوستان کی سیاسی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی، حکومتی اور مذہبی تاریخ کا دھارا ہی موڑ دیا۔

''بابری مسجد بنام رام جنم بھومی تحریک'' کی آڑ میں اس طبقہ کو اپنے صدیوں پرانے خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے دکھائی دینے لگے۔ بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانے کی تحریک سے اس طبقہ کو دو بڑے فائدے حاصل ہوئے:

(۱) ان کا وہ مذہب جس کی طرف ان کے اکثریتی طبقے کی کوئی خاص توجہ نہ تھی اس کا احیا ہونا شروع ہو گیا۔ ان کے مذہبی رسم و رواج جو از کار رفتہ ہو چکے تھے ان میں دوبارہ جان پڑ گئی۔ ان کا وہ مذہبی جذبہ جو صدیوں پہلے دم توڑ چکا تھا اس میں دوبارہ زندگی کی رمق پیدا ہو گئی۔ اس طرح انہوں نے ہر طرف اپنے مذہب کی بالادستی قائم کر دی جس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ ان کے بچے بچے کے اندر اس وقت مذہبی جنون اور مذہبی رنگ سرایت کر چکا ہے۔

(۲) ایودھیا تحریک کے ذریعہ اس طبقہ نے بے پناہ سیاسی طاقت و قوت آج حاصل کر لی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ملک کی سیکولر سیاسی جماعتیں بھی ان ہی کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ سیاسی طاقت وقوت کا حال یہ ہے کہ موجودہ وقت میں کوئی ان کا مد مقابل دور دور تک نظر نہیں آ رہا ہے۔

اس طبقہ کو ملنے والی یہ دو ایسی طاقتیں تھیں کہ جس کا اثر آج پورے ملکی سسٹم پر نظر آ رہا ہے۔ اب جو بھی فیصلے صادر ہوتے ہیں وہ اسی طبقہ کے رنگ میں رنگے افراد کے ذریعہ صادر ہوتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ ان فیصلوں میں بھی ان ہی کا رنگ و آہنگ دکھائی دے گا۔

بابری مسجد کی شہادت اور قانون کی بے بسی: بہر حال بابری مسجد کے تحفظ کے لیے ایک طرف مسلمان کورٹ کچہری میں قانونی جنگ لڑ رہے تھے تو وہیں دوسری طرف یہ متعصب زعفرانی طبقہ قانون کو بالائے طاق رکھ کر اپنی طاقت وقوت کے ذریعہ جبراً اس مسجد کے وجود کو صفحۂ زمین سے مٹا دینے کے لیے کوشاں تھا یہاں تک کہ وہ مسجد کہ جس کی تعمیر ۱۵۵۸ء میں ہوئی تھی اور جس میں ۱۹۴۹ء تک باقاعدہ پنج وقتہ نماز ہوتی رہی وہ ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہندوستانی قوانین کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے، دن کے اجالے میں تقریباً ۳۶۰/منٹ کے اندر مسمار کر کے شہید کر دی گئی اور ہمیشہ کے لیے سرزمین ہند سے بابری مسجد کا نشان مٹا دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ وہاں دیکھتے ہی دیکھتے ایک عارضی مندر بنا کر اس میں مورتی بھی رکھ دی گئی اور اس کی پوجا پاٹھ بھی قانونی طور پر ہونے لگی۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ: مسلمانوں کے دانشور طبقہ نے اسی وقت یہ محسوس کر لیا تھا کہ اب بابری مسجد کی بازیابی مشکل ہے۔ اب یہاں دوبارہ مسجد کی تعمیر ایک مشکل امر ہے۔ ہوا بھی یہی کہ بابری مسجد بزور طاقت وقوت، غنڈہ گردی کے طور پر، غیر قانونی انداز میں مسمار کئے جانے کے بعد بھی مسلم طبقہ کورٹ کچہری میں اس کی قانونی لڑائی لڑتا رہا یہاں تک کہ نچلی کورٹوں سے ہوتا ہوا بابری مسجد حق ملکیت کا یہ مقدمہ سپریم کورٹ پہونچ گیا۔ اس طرح ۱۸۸۵ء میں زبردستی رام جنم بھومی کے نام پر قائم کئے گئے ایک چھوٹے سے چبوترے سے متعلق مقدمہ بڑھتے بڑھتے پوری مسجد اور پھر مسجد کی ۶۷/۱ ایکڑ زمین تک پھیل گیا۔ سپریم کورٹ نے ۸/فروری ۲۰۱۸ء میں سول اپیلوں

کی سماعت کا آغاز کیا۔اس کے بعد جنوری ۲۰۱۹ء کو چیف جسٹس ''رنجن گوگوئی'' کی قیادت میں الگ سے پانچ رکنی بینچ تشکیل دی گئی جس نے تقریباً ۹۰ر دن تک مقدمہ کی سماعت کرنے کے بعد ۹ر نومبر ۲۰۱۹ء کو ۱۰۴۵ر صفحات پر مشتمل ایک ایسا فیصلہ دیا کہ جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ دنیا بھر کے انصاف پسند قانون داں حضرات کو بھی حیرت و استعجاب میں ڈال دیا۔اس فیصلہ کے قابل ذکر نکات یہ ہیں کہ:

☆ پانچ رکنی بینچ یہ تسلیم کرتی ہے کہ ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو مسجد کی شہادت ایک جرم تھا۔

☆ کورٹ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس بات کے کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی مندر توڑ کر یہ مسجد بنائی گئی تھی۔

☆ تمام دستاویز اور ثبوتوں کی روشنی میں کورٹ اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ رام جنم بھومی مسجد کے نیچے نہیں بلکہ وہ چبوترہ ہے جو ۱۸۸۵ء میں فیض آباد کورٹ میں فیصل ہوا تھا اور خود فریقین نے اس چبوترہ کو رام جنم بھومی قرار دیا تھا اور اسے ہی رام جنم استھان مانتے ہیں۔مسجد میں مورتیاں پرکٹ (ظاہر) ہونے کا صرف اعتقاد ہے۔یہ رام چبوترہ بابری مسجد سے ۸۰ فٹ دور ہے۔

☆ کورٹ کے سامنے مسلم فریقین مسجد ہونے کے ثبوت پیش کر سکے ہیں لیکن اس میں نماز پڑھنے کے ثبوت نہیں ہیں جبکہ ہندو فریق پوجا کے ثبوت پیش کر سکے۔

☆ سپریم کورٹ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ متنازعہ ڈھانچہ (شہید بابری مسجد کی جگہ) 2.77ر ایکڑ رام جنم بھومی کو دے دی جائے۔

☆ کورٹ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ تین مہینے کے اندر ٹرسٹ کی تشکیل حکومت کرے۔

☆ مسلمانوں کو ایودھیا ہی میں مسجد بنانے کے لیے پانچ ایکڑ زمین الگ سے حکومت دے دے۔

مسلمانان ہند کی مایوسی: مسلمانوں کے لیے یہ ایک ایسا مایوس کن فیصلہ تھا کہ جس نے مسلمانوں کے جذبات اور مسلمانوں کے ذہن و دماغ پر نہایت خطرناک اثر ڈالا۔مسلمانوں کی ہمت و حوصلے کو اس فیصلہ سے سخت جھٹکا لگا لیکن اس کے باوجود مسلمانان ہند نے نہایت ہی صبر و سکون کے ساتھ اس فیصلہ کو سنا اور دیکھا تو ضرور مگر کسی بھی قسم کا ردعمل ظاہر نہ کیا اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی احتجاج کیا۔ البتہ مذہبی اعتبار سے مسلمان اس جگہ کو ابھی بھی حقیقت کے اعتبار سے مسجد ہی مانتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے وہ تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اگر چہ وہ ان کے قبضے سے نکل ہی کیوں نہ گئی ہو۔

دوسری طرف اس فیصلہ سے ملک کے اکثریتی طبقہ کی باچھیں کھل گئیں، ان کے مذہبی جذبات میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا، ان کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔ان کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا، ان کا مذہبی جنون مزید بڑھ گیا۔ان کے مذہبی رسم و رواج میں مزید جلا پیدا ہو گئی۔ان کی سیاسی طاقت و قوت میں چار چاند لگ گئے اور پھر اسی طاقت و قوت کے زعم میں انہوں نے اس وقت اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھنا شروع کر دیا ہے۔

بابری مسجد کی جگہ مندر کی تعمیر: سپریم کورٹ کا فیصلہ آتے ہی ہندو عوام، ہندو آفیسر، ملکی سسٹم سے وابستہ ہندو افراد، حکومتی

کارندے، زعفرانی تنظیمیں، مذہبی شخصیات اور سیاسی افراد رام مندر بنانے کی تگ ودو میں لگ گئے۔ ملک وبیرون ملک سے رام مندر تعمیر کے نام پر بے حساب مال وزر کی بارش ہونے لگی۔ ہندوؤں کی طرف سے اس سلسلہ میں قابل دید جوش وجذبہ کا مظاہرہ دیکھنے کو ملا۔

کورٹ کی ہدایت کے مطابق ایک ٹرسٹ تشکیل دیا گیا جس کی نگرانی میں جنگی پیمانے پر بابری مسجد کی جگہ ایک عالیشان مندر بنانے اور ایودھیا شہر کو ایک عظیم الشان مذہبی زیارت گاہ بنانے کی تیاری ہونے لگی۔ سب سے پہلے فیض آباد کی جگہ ایودھیا کو ضلع بنایا گیا اور حکومت کے درجنوں محکموں کو ایودھیا شہر کی تعمیر وترقی کے لیے لگا دیا گیا۔ ایک طرف ٹرسٹ مندر بنانے میں مصروف ہے تو دوسری طرف صوبائی اور مرکزی حکومت کے درجنوں محکمے اپنے اپنے فنڈ سے ایودھیا کو سجانے اور سنوارنے میں مصروف عمل ہیں۔ یہ کام اتنی تیزی اور حکومتوں کی خصوصی توجہات سے اس طرح عمل میں لایا گیا کہ آج ایودھیا شہر کا دیکھتے ہی دیکھتے نقشہ ہی بدل کر رہ گیا ہے۔

مندر کا افتتاح اور اس کا جشن: ابھی تعمیری کام چل ہی رہا تھا کہ حکومت اور ہندو تنظیموں کی طرف سے ۲۲ر جنوری ۲۰۲۴ء کو بابری مسجد کی جگہ بنائے گئے رام مندر کے افتتاح کا اعلان کر دیا گیا۔ بڑے پیمانے پر اس کی تشہیر شروع ہوگئی اور ملک وبیرون ملک کی اہم شخصیات کو اس پروگرام میں شمولیت کے لیے دعوت نامہ دیئے جانے لگے۔ پورے ملک کو مذہبی جنون اور مذہبی رنگ میں رنگ دیا گیا۔ ہندوستانی مسلمان مزید حوصلہ شکنی کے شکار ہونے لگے یہاں تک کے ۲۲ر جنوری کو پورے اتر پردیش کے اسکولوں اور گورنمنٹی محکموں میں عام تعطیل کا حکم جاری کر دیا گیا۔ ملک کا اکثریتی طبقہ اپنے گاؤں، اپنی گلیوں، اپنے شہروں، اپنے محلوں، اپنی عبادت گاہوں، اپنے تعلیمی اداروں اور دوکانوں ومکانوں کو آراستہ وپیراستہ کرنے لگا۔ حکومتی احکامات کے مطابق اس پروگرام کو براہ راست دکھانے کے لیے حکومت کے متعدد محکمے سرگرم عمل ہوگئے۔ پورے ملک میں دیوالی منانے کی اپیلیں کی جانے لگیں اور پھر ملک کے وزیر اعظم نے ۲۲ر جنوری ۲۰۲۴ء بروز پیر دوپہر ۱۲ر بجکر ۲۰ر منٹ پر رام مندر میں نصب کی گئی مورتی کا افتتاح کر دیا۔ پورے ملک میں اس موقع پر آتش بازی کی جانے لگی، گلی گلی مذہبی جلوس نکالے گئے اور پھر دیوالی کی طرح اس دن کی خوشیاں منائی گئیں۔ ہندوستانی مسلمان نہایت ہی صبر وسکون کے ساتھ یہ سب دیکھتے رہے۔

گیان واپی مسجد کا قضیہ: مسلمانان ہند حوصلہ شکنی کے اس صبر آزما مرحلے سے ابھی سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ بنارس میں واقع گیان واپی مسجد کے تعلق سے اے ایس آئی کی سروے رپورٹ عام ہوگئی جس نے ان کے زخموں پر مزید نمک چھڑکنے کا کام کیا۔ اس سروے رپورٹ کا بھی حال وہی ہے جو بابری مسجد کی سروے رپورٹ کا تھا۔ اس رپورٹ کے عام ہوتے ہی اب یہ یقین ہو چلا ہے کہ اس کا بھی حال وہی ہوگا جو بابری مسجد حق ملکیت مقدمہ کا ہوا تھا۔ یہ مقدمہ اور اس کے ساتھ ''متھرا'' کی ''شاہی عیدگاہ'' حق ملکیت کے مقدمہ کی رفتار اس بات کا پتہ دے رہی ہے کہ ان کا بھی حشر آخر کار وہی ہونا ہے جو بابری مسجد حق ملکیت مقدمہ کا ہوا۔

قارئین کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ بابری مسجد کے

تعلق سے ہندو تنظیموں نے جو تحریک چلائی تھی اور ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء کو جب ان افراد نے قانون کی بالا دستی کو ٹھینگا دکھاتے ہوئے بابری مسجد کو مسمار کیا تھا تب یہ نعرہ ہندوستان کے ہر خطہ میں گونجنے لگا تھا کہ ''ابھی تو ایودھیا جھانکی ہے۔متھرا کاشی باقی ہے''۔لہٰذا ان کا جو منصوبہ تھا وہ صرف بابری مسجد تک محدود نہ تھا بلکہ ان کے منصوبہ میں پہلے ہی سے ''گیان واپی مسجد بنارس'' اور ''شاہی عیدگاہ متھرا'' شامل ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہندو تنظیمیں ہوں کہ ہندو تنظیموں کی سیاسی جماعت بھاجپا، انہوں نے سیاسی اعتبار سے اپنے ماننے والوں اور اپنے ووٹروں سے جو جو وعدے کیے تھے وہ تقریباً انہوں نے پورے کر دیئے۔کشمیر کو خصوصی درجہ دینے والی دفعہ ۳۷۰ کو ہٹانے کا انہوں نے وعدہ کیا تھا اسے پورا کر چکے، بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانے کا وعدہ کیا تھا وہ بھی پورا ہو گیا۔اب گیان واپی اور شاہی عیدگاہ متھرا کا وعدہ وفا کرنے کی پوری تیاری ہو چکی ہے۔یکساں سول کوڈ کا راستہ ہموار ہو چکا ہے۔سب سے آخری ہدف ملک کو ہندو راشٹر بنانے کا ہے جس کی طرف انہوں نے بہت تیزی کے ساتھ اپنا سفر شروع کر دیا ہے۔یہی ان کا سب سے آخری اور سب سے اہم مقصد ہے۔ ظاہری حالات اور موجودہ قرائن یہی بتا رہے ہیں کہ یہ اپنا آخری ہدف بھی بہت جلد حاصل کر لیں گے۔اللہ خیر فرمائے۔

ایک حیرت انگیز انکشاف: ایودھیا میں مندر کے افتتاح اور اس میں مورتی نصب کئے جانے کے جشن کی تیاریاں عروج پر تھیں تب ہی اس میں مورتی نصب کرنے سے متعلق ان کی مذہبی رسم کے حوالے سے ہندوؤں کے چار شنکراچاریوں میں سے ایک شنکراچاریہ ''سوامی اوی مکتیشورانند سرسوتی'' نے اس پر اپنے دھرم شاستروں کے اعتبار سے اعتراض کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابھی مندر پوری طرح سے مکمل نہیں ہوا لہٰذا ایسی صورت میں مذہبی اصولوں کے اعتبار سے یہاں مورتی کی تنصیب صحیح نہیں ہے۔اس سلسلہ میں انہوں نے ''اترا کھنڈ تک'' نامی ایک ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے ضمنی طور پر پوچھے گئے ٹی وی اینکر اور معروف صحافی ''کرن تھاپر'' کے ایک سوال کے جواب میں نہایت ہی حیرت انگیز، ناقابل یقین اور افسوس ناک انکشاف کیا جسے جیلانی خان علیگ نامی اردو اخبار انقلاب کے ایک رپورٹر نے بھی اپنے اردو اخبار میں بھی نشر کیا ہے کہ:

''ہندوؤں کے اہم دھرم گرو شنکراچاریہ سوامی اوی مکتیشورانند سرسوتی نے دعویٰ کیا ہے کہ بابری مسجد۔رام مندر تنازع کا حل سپریم کورٹ فیصلہ سے نہیں بلکہ آؤٹ آف کورٹ سیٹلمنٹ کا نتیجہ تھا۔ان کا کہنا ہے کہ یہ حل اس لیے نکل سکا کیونکہ ''یوپی سنی سینٹرل وقف بورڈ'' نے بابری مسجد سے اپنے حق ملکیت سے دست برداری کا حلف نامہ کورٹ میں دیا تھا۔ان کے بقول سپریم کورٹ نے صرف وہ فیصلہ پڑھ کر سنایا تھا جس کے لیے سنی وقف بورڈ کی دست برداری نے راہ ہموار کی تھی حالانکہ بورڈ کے چیئرمین کا کہنا ہے کہ عدالت عظمی نے میرٹ کی بنیاد پر فیصلہ سنایا تھا۔سوامی اوی مکتیشورانند کا مٹھ بھی اس مقدمہ میں ایک اہم فریق تھا۔ان دنوں ''پران پرتشٹھا'' تقریب کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں۔میڈیا اس سے متعلق مختلف مثبت پہلوؤں کو نیوز اور ڈبیٹ کی شکل میں دکھا رہا ہے تاہم میڈیا کا یہ حلقہ ہندوؤں کے سب سے بڑے دھرم گرو چاروں شنکراچاریوں کے ذریعہ اس

تقریب پر اٹھائے جا رہے سوالوں کو سامنے لانے سے گریز کر رہا ہے۔ان شنکراچاریوں میں سے ایک ہیں سوامی اوی مکتیشورانند سرسوتی جن کا مٹھ بابری مسجد۔رام جنم بھومی تنازع میں ایک اہم فریق تھا، واضح لفظوں میں اس پوری تقریب کو سناتن ہندو دھرم کے اصول وضوابط اور روایت کے خلاف بتا رہے ہیں۔وہ پروگرام کو سیاسی شعبدہ بازی بھی قرار دے چکے ہیں۔سوامی اوی مکتیشورانند نے معروف صحافی ''کرن تھاپر'' کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس تنازعہ کے حل میں سپریم کورٹ کا رول صرف یہ تھا کہ اس نے وہ فیصلہ پڑھ کر سنایا تھا جو ''یو پی سنی سینٹر وقف بورڈ'' کے حلف نامے کے سبب سامنے آیا تھا۔شنکراچاریہ کے بقول سنی وقف بورڈ نے عدالت عظمیٰ میں یہ حلف نامہ دیا تھا کہ وہ بابری مسجد کی آراضی پر اپنے مالکانہ حق سے دست بردار ہوتا ہے۔ان کے بقول یہ حلف نامہ ہندو۔مسلم فریق کی آپسی گفتگو اور مصالحت کا نتیجہ تھا جس کے لیے سپریم کورٹ بھی کئی بار کہہ چکا تھا۔انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ نے ہندو مسلم فریقوں کو کہا تھا کہ آؤٹ آف کورٹ سیٹلمنٹ کر لیں تو بہتر ہے۔سوامی اوی مکتیشورانند کا یہ موقف اس بات کی تائید ہے کہ اس مقدمہ کا نتیجہ اس لیے نکل پایا کیوں کہ بابری مسجد پر جس کا مالکانہ حق تھا وہی اپنے اس حق سے دستبردار ہو گیا پھر کورٹ کے لیے معاملہ کا فیصلہ ہندو فریق کے حق میں سنانے کی راہ ہموار ہوگئی تھی۔حالانکہ اس حلف نامہ پر دستخط کرنے والے ''یو پی سنی سینٹرل وقف بورڈ'' کے چیئرمین ''زفر فاروقی'' کا کہنا ہے کہ سپریم کورٹ نے فیصلہ میرٹ کی بنیاد پر سنایا تھا۔انہوں نے ''انقلاب'' سے کہا کہ بورڈ کی جانب سے مصالحتی تجاویز تمام شرائط کے ساتھ پیش کی گئیں تھیں لیکن عدالت عظمیٰ نے انہیں یہ کہتے ہوئے ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ یہ مصالحت ان تمام شرائط کے پورے ہونے پر منحصر ہے جس کے لیے سارے فریق راضی نہیں ہیں''۔

(روزنامہ انقلاب اردو ۲۱؍جنوری ۲۰۲۴ء، رپورٹ جیلانی خان علیگ)

مذکورہ شنکراچاریہ کا اگر یہ الزام صحیح ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ رام مندر کے حق میں جو فیصلہ کورٹ نے دیا تھا وہ صرف ثبوتوں یا گواہیوں کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ ہندوؤں کے حق میں فیصلہ آنے کے پیچھے ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی طرف سے اصل مدعی ''سنی سینٹرل وقف بورڈ لکھنؤ'' نے حق ملکیت کا اپنا دعویٰ ہی واپس لے لیا تھا جس کی وجہ سے کورٹ کے باہر ہی یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ مسجد کی جگہ مندر کو دی جا رہی ہے۔''سنی سینٹرل وقف بورڈ لکھنؤ'' کے ذمہ داران کے تحفظ کے پیش نظر اسے قانونی روپ دے کر سپریم کورٹ نے فیصلہ کی شکل میں اسے فیصل کر کے یہ رجحان دیا کہ یہ فیصلہ ثبوتوں اور گواہیوں کے اعتبار سے ہوا ہے نہ کہ کورٹ کے باہر سمجھوتے کے اعتبار سے۔

مذکورہ شنکراچاریہ کا بیان کس حد تک صداقت پر مبنی ہے یہ تو قابل تحقیق امر ہے۔اس کے لیے ''سنی سینٹرل وقف بورڈ لکھنؤ'' کے ذمہ داران خاص کر بورڈ کے چیئرمین جناب زفر فاروقی صاحب کو جلد از جلد اس معاملہ کی سچائی مسلمانان ہند کے سامنے لانا چاہیئے۔ اگر مذکورہ شنکراچاریہ یہ الزام کذب و بہتان پر مبنی ہے تو انہیں اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا چاہیئے۔البتہ اگر اس میں ذرہ برابر بھی سچائی ہوئی تو واقعی یہ معاملہ نہایت ہی سنگین، قانون اور مسلمانان ہند کے ساتھ ایک بھدا مذاق ہوگا۔

ترجمہ: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

باب التفسیر

تفسیر: صدر الافاضل حضرت علامہ محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ

پیش کش: مولانا ابرار الحق رحمانی مدھوبنی

ترجمہ: تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۳ اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے۴ اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے۵ اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۶ وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں اطمینان اتارا تا کہ انہیں یقین پر یقین بڑھے۷ اور اللہ ہی کی مِلک ہیں تمام لشکر آسمانوں اور زمین کے۸ اور اللہ علم و حکمت والا ہے۹ تا کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے اور یہ اللہ کے یہاں بڑی کامیابی ہے اور عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ پر برا گمان رکھتے ہیں۱۰ انہی پر ہے بری گردش اور اللہ نے ان پر غضب فرمایا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لیے جہنم تیار فرمایا اور وہ کیا ہی برا انجام ہے اور اللہ ہی کی مِلک ہیں آسمانوں اور زمین کے سب لشکر اور اللہ عزت و حکمت والا ہے۔ بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر۱۲ اور خوشی اور ڈر سناتا۱۳ تا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۱۴ وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں۱۵ وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۱۶ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا۱۸ اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۱۹۔ (پ ۲۶ ررکوع ۹ سورۂ فتح آیت ۲ تا ۱۹)

تفسیر: ۳۔ اور تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے (خازن و روح البیان)۔ ۴۔ دنیوی بھی اور اخروی بھی۔ ۵۔ تبلیغ رسالت و اقامت مراسم ریاست میں (بیضاوی)۔ ۶۔ دشمنوں پر کامل غلبہ عطا کرے۔ ۷۔ اور باوجود عقیدۂ راسخہ کے اطمینان نفس حاصل ہو۔ ۸۔ وہ قادر ہے جس سے چاہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائے۔ آسمان و زمین کے لشکروں سے یا تو آسمان اور زمین کے فرشتے مراد ہیں یا آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے حیوانات۔ ۹۔ اس نے مومنین کے دلوں کی تسکین اور وعدۂ فتح و نصرت اس لیے فرمایا۔ ۱۰۔ کہ وہ اپنے رسول سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں کی مدد نہ فرمائے گا۔ ۱۱۔ عذاب و ہلاک کی۔ ۱۲۔ اپنی امت کے اعمال و احوال کا تا کہ روز قیامت ان کی گواہی دو۔ ۱۳۔ یعنی مومنین مقربین کو عذاب دوزخ کا ڈر سناتا۔ ۱۴۔ صبح کی تسبیح میں نماز فجر اور شام کی تسبیح میں باقی چاروں نمازیں داخل ہیں۔ ۱۵۔ مراد اس بیعت سے بیعت رضوان ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں لی تھی۔ ۱۶۔ کیونکہ رسول سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرنا ہے جیسے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ ۱۷۔ جن سے انہوں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۸۔ اس عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا۔ ۱۹۔ یعنی حدیبیہ سے تمہاری واپسی کے وقت۔

گلدستۂ احادیث

ترتیب وانتخاب: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد سبحان رضا سبحانی میاں مدظلہ العالی
سربراہ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ رضا نگر، سوداگران بریلی شریف

امام کے پیچھے قراءت کرنے کا حکم

عن حطان بن عبد الله الرقاشی، قال: صليت مع ابی موسیٰ الاشعری صلاۃ فقال ابو موسیٰ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خطبنافقال اذا صليتم فاقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم احدكم، فاذا كبر فكبروا۔وفی حديث جرير۔عن سليمان، عن قتادة من الزيادة: واذا قرافانصتوا۔فقال له ابو بكر فحديث ابی هريرة هو صحيح يعنی واذا قرأفانصتوا؟ فقال (مسلم):هو عندی صحيح۔

ترجمہ: حضرت حطان بن عبداللہ رقاشی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ نماز ادا کی تو ابوموسیٰ نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ جب تم لوگ نماز پڑھو تو اپنی صفوں کو درست کرلو پھر تم میں سے کوئی امامت کرے اور وہ جب تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو اور ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اور جب وہ قراءت کرے تو تم سب لوگ خاموش رہو۔اس سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں امام مسلم نے فرمایا کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

(صحیح مسلم ملتقطاً جلد ا، کتاب الصلوۃ باب التشہد وسنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوۃ)

عن ابی هريرة قال رسول الله صلی الله عليه وسلم انما جعل الامام ليوتم به فاذا كبر فكبروا واذا قراء فانصتوا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام تو اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔

(سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ والصلوۃ)

عن جابر بن عبد الله قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من صلی خلف الامام فان قراء ة الامام له قراء ة۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لیے بھی قراءت ہے۔

(کتاب الآثار للامام محمد بن الحسن الشیبانی جلد ا کتاب الصلوۃ)

عن عبد الله بن شداد قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم من كان له امام فان قراء ة الامام له قراء ة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے لیے کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لیے بھی قراءت ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ کتاب الصلوۃ)

تشریح: اس مضمون کی بہت سی احادیث کریمہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ امام کے پیچھے اس کی اقتدا میں جب نماز ادا کی جارہی ہو تو مقتدی کے اوپر لازم ہے کہ وہ خاموش رہ کر امام کی قراءت سنے کیونکہ امام کی قراءت اس کے لیے بھی قراءت ہے۔ظاہری بات ہے کہ امام اللہ کی بارگاہ میں مقتدیوں کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہے۔جب نمائندہ اس کا کلام پڑھ کر سنا رہا ہے تو اس کے وفد کے تمام لوگوں کے لیے لازم ہے کہ خاموش رہ کر اس کا کلام سنیں اور تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا آداب تلاوت کا لازمہ بھی ہے۔مگر وہابیہ امام کے پیچھے بھی سورۂ فاتحہ کی قراءت کو مقتدیوں کے لیے فرض قرار دیتے ہیں۔

فتاویٰ منظر اسلام

ترتیب، تخریج ، تحقیق:- حضرت مولانا مفتی محمد احسن رضا قادری، سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

مردہ جانور کو ذبح کر کے کھلانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

گیارہ آدمی ہم لوگ شکار کرنے کو گئے جن میں ایک سکھ بھی ہمراہ تھا۔سکھ نے ایک ہرن بندوق سے مارا۔پھر ایک مسلمان سے ذبح کرایا۔ہم لوگ سمجھے کے اب تو حلال ہو گیا لہٰذا سب لوگ مل کر گوشت کھائیں گے۔۱۵/روز بعد ذابح نے یہ بات بتائی کہ ذبح کرتے وقت اس میں جان نہ تھی۔لہٰذا اب حضرت سے التماس ہے کہ کھانے والے اور ذبح کرنے والے پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔فقط

المستفتی

حلم الدین

موضع سرارہ، بریلی شریف

الجواب: جن لوگوں نے انجانے میں حلال جان کر کھایا ان پر کوئی الزام نہیں۔ذبح کرنے والا ضرور گنہگار ہے۔وہ توبہ کرے اگر واقعی وہ ہرن مر چکا ہے اور اس نے جانتے ہوئے اسے ذبح کر کے مسلمانوں کو کھلایا تو حرام ومردار کھانے اور کھلانے کا الزام اس پر ہے اور وہ سخت گنہگار ہے۔دونوں صورت میں توبہ واستغفار کرے واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک غریب آدمی ہے اور اس کے لڑکے بکر کی شادی فی الحال کرنی ہے اور ابھی ولیمہ کا کھانا نہ کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا اور وہاں یعنی اپنی بستی کے لوگوں سے چھ ماہ کی مہلت مانگ رہا ہے تو اس کی بستی کے لوگ ولیمہ کا کھانا جبرا کھانا چاہتے ہیں اور اس کی ہر جگہ بے عزتی کرتے پھرتے ہیں یہاں تک کہ کمیٹی کر کے اس کی تذلیل کرتے پھرتے ہیں۔قرآن وحدیث کی رو سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی تطہیر احمد

نواب گنج بریلی شریف

الجواب: دعوت ولیمہ سنت ہے۔ولیمہ یہ ہے کہ شب زفاف کی صبح کو اپنے دوست واحباب، عزیز واقارب اور محلّہ کے لوگوں کی حسب استطاعت ضیافت کرے اور اس کے لیے جانور ذبح کرنا اور کھانا تیار کرانا جائز ہے لیکن اگر استطاعت نہ ہو تو لازم نہیں اور برادری کا جبراً کھانا طلب کرنا ظلم وگناہ ہے اور اسے ذلیل ورسوا کرنا حرام وایذائے مسلمان ہے جو سخت گناہ ہے۔ان لوگوں پر اس سے توبہ لازم ہے اور جبری کھانا لینے سے باز رہنا واجب۔والمولیٰ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ

قاضی محمد عبد الرحیم بستوی غفرلہ

دار الافتاء منظر اسلام محلّہ سوداگران بریلی

۲۲/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

قرآن کریم اور ذکر شفاعت

از۔مولانا محمد شمس الدین رضوی مصباحی، استاذ دار العلوم عربیہ اہل سنت منظر اسلام التفات گنج امبیڈکر نگر

منصب شفاعت: اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اعزاز واکرام اور فضائل جمیلہ ومناصب جلیلہ عطا فرمائے ہیں وہ بیان سے باہر ہیں۔ان تمام فضائل وخصائل میں سے ایک خصوصی فضیلت یہ بھی ہے کہ شفاعت کبریٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاص منصب ہے۔حضور کی شفاعت بلا شبہ مقبول ومستجاب ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن شفاعت کرنے والوں کے سردار، سب سے افضل اور سب سے اول ہیں۔کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تمام جہانوں کے لیے رحمت، جنوں، انسانوں اور فرشتوں کے لیے ماویٰ وملجا ہے۔مشرکین مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود فائض الجود کی برکت سے مکہ مکرمہ میں عذاب الٰہی سے محفوظ رہے اور آج بھی دنیا میں مومنین کے علاوہ دوسرے غیر مومنین کو بھی اس کا فیض مل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہے:

"وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ"

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ کفار مکہ کو عذاب دے جبکہ اے حبیب تم ان میں موجود ہو۔

قرآن کریم پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بیشتر جگہوں پر شفاعت کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے پڑھنے والوں کو شفاعت رسول کی خوشخبری بھی سنائی ہے۔اس سلسلہ میں ایک حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن ابی امامة رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اقرؤوا القراٰن فانه یاتی یوم القیامة شفیعا لاصحابه۔رواه مسلم۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفاعت کرنے والا بن کر آئے گا۔

قیامت کے دن جب شفاعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم کے طفیل کروڑوں گناہگاروں کو بخشا جائے گا اور لاکھوں جہنمیوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رحمۃ للعالمین اور اللہ کی صفت ارحم الراحمین کے جلوے واضح طور پر نظر آئیں گے۔بدکار وسیاہ کار امتیوں پر مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم رحم کھائیں گے اور ان کی سفارش کے لیے بارگاہ خدا میں سجدہ ریز ہو جائیں گے جبکہ اللہ کی رحمت جوش میں آئے گی اور وہ ان سب کو بخش دے گا کہ جن کی بخشش کی درخواست جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی ہوگی اور ایسا اس لیے ہوگا کہ خدا کے کھلے باغیوں، مشرکوں اور کافروں کی شفاعت، مصطفیٰ کی شان عبدیت کے خلاف ہوگی اور جن

گنہگاروں کی بخشش کی درخواست وہ پیش کریں گے، بارگاہ صمدیت سے ان کے لیے پروانۂ بخشش جاری نہ کیا جانا مصطفیٰ کی شان محبوبیت کے خلاف ہوگا۔اس وقت اللہ کی صفت ارحم الراحمین کے جلوے بھی قابل دید ہوں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ الٰہی سے پروانۂ بخشش طلب کرنا شان رحمۃ للعالمین کا مظہر ہوگا جب کہ اس درخواست کو منظور فرما کر گنہگاروں کے لیے بخشش کا پروانہ جاری فرمانا اللہ کی صفت ارحم الراحمین کا مظہر ہوگا۔پھر جب شفاعت ہو چکی ہوگی تو اللہ کریم جہنمیوں میں سے اپنی شایان شان کچھ مٹھیاں نکالے گا اور انہیں خالص اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل کردے گا۔

شفاعت کا مفہوم: لسان العرب میں ہے:

استشفت الیٰ فلان ای سألته ان یشفع لی۔

یعنی اس سے میں نے کہا کہ میرے لیے وہ سفارش اور التجا کرے۔

''مجمع البحار'' میں ہے:

الشفاعة هی السوال فی التجاوز من الذنوب والجرائم۔

یعنی شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ گناہوں سے تجاوز کرنا۔

''کنز'' میں ہے:

مصدر شفع یشفع اذا ضم وغیره الیه من الشفع الذی هوضد الوتر کان الشفیع ضم سواله الی المشفوع له۔

یعنی یہ شفع یشفع کا مصدر ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ وہ غیر کو اپنے ساتھ ملالے گویا کہ شفیع نے اپنے سوال کو مشفوع کے ساتھ ملادیا۔

حدیث پاک میں ہے:

شفاعتی لأهل الکبائر من أمتی۔

''میری شفاعت میری امت کے مسلمان اہل کبائر کے لیے ہے۔''

امام خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

''شفاعت کا لفظ شفع سے بنا ہے۔شفع کا معنی ہے، ''جفت''۔کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز طاق تھی میں نے اس کے ساتھ دوسری چیز ملا کر اس کو جفت کردیا۔قرآن مجید میں ہے: والشفع والوتر (الفجر:۳) اور قسم ہے جفت اور طاق کی۔الشفع یوم اضحیٰ کو کہتے ہیں اور الوتر یوم عرفہ کو کہتے ہیں۔میں نے فلاں کی شفاعت طلب کی۔اس نے میری اس کی طرف شفاعت کی۔اس کا اسم شفاعۃ ہے اور شفاعت کرنے والے کو شافع اور شفیع کہتے ہیں۔''

(کتاب العین، ج ۲۔ص ۹۲۸ و ۹۲۷ مطبوعہ ایران)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''شفع کا معنی ہے ایک چیز کو اس کی مثل کی طرف ملانا، کہا جاتا ہے کہ تمام مخلوقات شفع ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے زوج (جوڑے) پیدا کئے ہیں۔ومن کل شی خلقنا زوجین۔ (الذاریات ۴۹) اور اللہ تعالیٰ ''وتر'' ہے کیوں کہ وہ ہر جہت سے واحد ہے اور تمام اولاد آدم شفع ہیں اور حضرت آدم وتر ہیں اور شفاعت کا معنی ہے ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ ملنا، بایں طور کہ وہ اس کا ناصر ہو اور اس کے متعلق سائل ہو۔اس کا اکثر استعمال اس صورت میں ہوتا ہے کہ کم رتبہ اور کم حیثیت والا شخص زیادہ مرتبہ اور زیادہ حیثیت والے شخص سے سوال کرے اور مدد کرنے کے لیے کہے۔قیامت میں جو شفاعت ہوگی وہ بھی اسی معنی میں ہے۔''

(ص ۴۳۹ تبیان القرآن)

جرائم کی معافی اور درجات کی بلندی کے لیے حضور ﷺ کی شفاعت کا مقبول ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی کئی ایسی شفاعتیں ہیں جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں اور جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے اور کئی ایسی شفاعات ہیں جس میں دوسرے انبیا اور صالحین بھی آپ کے شریک ہیں اور نبی ﷺ افضل الخلق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اکرم ہیں۔ ان خصوصی شفاعات میں سے ایک ''مقام محمود'' ہے جس پر تمام اولین اور آخرین رشک کریں گے اور شفاعت کی احادیث بہ کثرت ہیں اور متواتر ہیں۔ ہم ذیل میں چند آیات کریمہ شفاعت رسول کے تعلق سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

شفاعت کے لیے روضۂ انور پر حاضری:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔

(النساء ۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت کی تشریح میں علما فرماتے ہیں کہ یہ حکم آپ کی حیات دنیوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے۔ حیات دنیوی ہو یا برزخی ہو یا اخروی ہر جگہ آپ کی شفاعت قبول ہے۔ ''تحقیق الفتویٰ'' میں ''تفسیر مدارک'' کے حوالے سے ہے:

''ایک اعرابی نے حاضر ہو کر اپنے آپ کو روضۂ مقدسہ پر گرا دیا اور روضۂ منور کی خاک مبارک کو اپنے سر پر ڈال کر عرض پرداز ہوا کہ اے رسول خدا! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، میں توبہ واستغفار لایا ہوں۔ آپ میری مغفرت کی دعا کریں۔ روضۂ مبارک سے آواز آئی: تیرا گناہ بخش دیا گیا۔

ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں اور وفات کے بعد شفاعت کا مفید ہونا برابر ہے اور بہر صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی میں وجاہت حاصل ہے اور اس کمال الجمال اور جمیل الکمال ہستی کی محبوبیت ظاہری حیات اور وصال کے بعد بارگاہ ایزدی میں یکساں طور پر قبولیت شفاعت کا سبب ہے۔''

(تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغوی ص ۱۱۱، ۱۱۲۔ از امام حکمت وکلام علامہ محمد فضل حق خیر آبادی قدس سرہ، ترجمہ وتحقیق علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ ناشر شاہ عبد الحق محدث دہلوی اکیڈمی، دار العلوم مظہریہ امدادیہ بندیال سرگودھا)

علامہ مفتی ابو صالح محمد قاسم قادری ''تفسیر صراط الجنان'' میں فرماتے ہیں کہ:

''آیت کے اس حصہ میں اگرچہ ایک خاص واقعہ کے اعتبار سے کلام فرمایا گیا البتہ اس میں موجود حکم عام ہے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔''

(صراط الجنان)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بندوں کو حکم ہے کہ ان (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ

میں حاضر ہو کر توبہ و استغفار کریں۔ اللہ تو ہر جگہ سنتا ہے، اس کا علم، اس کا سمع (یعنی سننا)، اس کا شہود (یعنی دیکھنا) سب جگہ ایک سا ہے۔ مگر حکم یہی فرمایا کہ میری طرف توبہ چاہو تو میرے محبوب کے حضور حاضر ہو۔ حضور کے عالم حیات ظاہری میں حضور (یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونا) ظاہر تھا، اب حضورِ مزار پُر انوار ہے (یعنی بعد وصال آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونا ہے) اور جہاں یہ بھی میسر نہ ہو تو دل سے حضور پُر نور کی طرف توجہ، حضور سے توسل، فریاد، استغاثہ، طلب شفاعت (کی جائے) کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہیں۔ (ملا) مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری ''شرح شفاء شریف'' میں فرماتے ہیں:

''روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام''۔ ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جدید ایڈیشن جلد ۱۵، صفحہ ۶۵۴)

یہ آیت مبارکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم مدح و ثناء پر مشتمل ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ گنگناتے ہیں:

مجرم بلائے آئے ہیں جَآءُوْكَ ہے گواہ
پھر رد ہو کب، یہ شان کریموں کے در کی ہے

☆

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

☆

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

اس آیت سے چار باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجت پیش کرنے کے لیے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے۔

(۲) قبر انور پر حاجت کے لیے حاضر ہونا بھی ''جَآءُوْكَ'' میں داخل اور خیر القرون کا معمول ہے۔

(۳) بعد وفات مقبولان حق کو ''یا'' کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے۔

(۴) مقبولان بارگاہ الٰہی مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعا سے حاجت روائی ہوتی ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے ''فتاویٰ رضویہ'' کا مطالعہ فرمائیں)

رضائے محبوب اور شفاعت عامہ:

☆ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

ترجمہ: تحقیق آخرت تمہارے لیے دنیا سے بہتر ہے۔ (یعنی آخرت میں آپ کا مقام اور بلند ہو جائے گا اور قیامت کے دن آپ تمام مخلوق کے ملجا و ماویٰ ہوں گے)۔ اور تحقیق تمہارا پروردگار تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

امام الحکمۃ والکلام علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اس آیت سے دو طرح استدلال کیا جا سکتا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا اور ظاہر ہے کہ جو کسی سے

کوئی چیز طلب کرتا ہے، اس پر راضی نہیں ہوگا کہ اس کی درخواست رد کر دی جائے۔ وہ اسی صورت میں خوش ہوگا کہ اس کی درخواست قبول کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ مومن مردوں اور عورتوں کے لیے کی جانے والی شفاعت کے قبول کرنے کا پختہ وعدہ ہے۔

(۲) احادیث کثیرہ وارد ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشی اسی میں تھی کہ امت کے گنہگار بخشے جائیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی امت کے گنہگاروں کی چارہ سازی میں مصروف رہے تا کہ وہ آگ سے نجات پائیں۔ پس یہ موکد وعدہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے بارے میں وارد ہوا ہے، یہ اس امر کا وعدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت اور محبوبیت کے سبب امت کے مجرموں کو رہا کر دیا جائے گا۔ احادیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا لا ارضی وواحد من امتی من النار۔

تب تو میں اس وقت تک راضی نہیں ہوؤں گا جب تک میرا ایک امتی بھی آگ میں رہے گا۔

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی کی شفاعت فرمائیں گے۔ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

رضی جدی ان لا یدخل النار احد۔ میرے جدامجد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی یہ ہے کہ کوئی توحید کا پرستار آگ میں داخل نہ ہو۔''

(تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ، ص۱۱۳و۱۱۴)

مقام محمود یعنی مقام شفاعت:

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحۡمُوۡداً۔

یعنی قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

تحقیق الفویٰ فی ابطال الطغویٰ میں ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ قیامت کے دن لوگ جماعتوں کی صورت میں پھریں گے۔ ہر امتی اپنے پیغمبر کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ ہماری شفاعت کیجئے حتی کہ آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شفاعت کی درخواست کریں گے پس وہی دن ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی الہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (مقام محمود) شفاعت (عامہ) ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے دن لوگ جمع کئے جائیں گے، میں اور میری امت بلندی پر ہوں گے، مجھے میرا رب سبز حلہ پہنائے گا پھر میں وہ کچھ عرض کروں گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا، یہی مقام محمود ہوگا۔''

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مقام محمود وہ ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔''

تفسیر کی مشہور کتاب ''صراط الجنان'' میں ہے:

''آیت میں مقام محمود کا ذکر ہے اور مقام محمود مقامِ شفاعت ہے کہ

اس میں اولین وآخرین حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کریں گے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: مقامِ محمود کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا: وہ شفاعت ہے۔

(ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، ۵/ ۹۳، الحدیث ۳۱۴۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ ''فتاویٰ رضویہ'' میں ایک مقام پر یہ آیت اور مختلف کتب سے اوپر بیان کردہ حدیث پاک ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''شفاعت کی حدیثیں خود متواتر ومشہور اور صحاح وغیرہ میں مروی و مسطور۔ اس دن آدم صفی اللہ سے عیسیٰ کلمۃ اللہ تک سب انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نفسی نفسی فرمائیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''انا لھا انا لھا'' میں ہوں شفاعت کے لیے، میں ہوں شفاعت کے لیے (فرمائیں گے) انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ متکلم، سب سر بگریباں، وہ ساجد وقائم، سب محل خوف میں، وہ آمن وہ ناہم (یعنی خود امن میں اور امت کے امن کے خواہش مند)۔ سب اپنی فکر میں، انہیں فکر عوالم، سب زیر حکومت، وہ مالک وحاکم۔ بارگاہ الٰہی میں سجدہ کریں گے، ان کا رب انہیں فرمائے گا:

''یا محمد ارفع راسك وقل تسمع وسل تعطه واشفع تشفع۔''

اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہے۔ اس وقت اولین وآخرین میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمد وثناء کا غلغلہ پڑ جائے گا اور دوست، دشمن، موافق، مخالف ہر شخص حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی افضلیت کبریٰ وسیادت عظمیٰ پر ایمان لائے گا۔''

(فتاویٰ رضویہ جدید ایڈیشن جلد ۳۰ ص ۱۷۰، ۱۷۱)

حضور کے لیے وسیلہ اور مقام محمود کی دعا مانگنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اذان سن کر یہ دعا کرے:

''اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمود ن الذی وعدتہ۔

یعنی اے اللہ اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب! محمد مصطفیٰ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں مقام محمود پر کھڑا کرنا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے:'' تو اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہوگئی۔''

(بخاری کتاب الاذان باب الدعاء عند النداء)

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یقینی طور پر وسیلہ اور مقام محمود عطا فرمائے گا، چاہے مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی دعا کریں یا نہ کریں، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف نہیں فرماتا۔ البتہ مسلمانوں کو اس کی دعا مانگنے کی جو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اس لیے ہے کہ اس میں ان کا اپنا عظیم فائدہ ہے کہ اس عمل کے ذریعہ انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

شفاعت مصطفیٰ کے لیے امت کو استغفار کی ترغیب:

☆فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ—وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ۔

تو جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اے حبیب! اپنے خاص غلاموں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو اور (اے لوگو!) اللہ دن کے وقت تمہارے پھرنے اور رات کو تمہارے آرام کرنے کو جانتا ہے۔

صراط الجنان میں ہے کہ ''فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' تو جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یعنی جب آپ نے جان لیا کہ قیامت قائم ہوتے وقت نصیحت حاصل کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تو آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں جو علم و یقین رکھتے ہیں اس پر قائم رہیں کیونکہ یہ قیامت کے دن ضرور نفع دے گا۔

(صاوی، محمد، تحت الآیۃ ۱۹، ۵/ ۱۹۵۷)

''وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ'' اور اے حبیب! اپنے خاص غلاموں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ یہاں آیت میں اگر خطاب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ ہوا تھا جس کی معافی مانگنے کا فرمایا گیا کیونکہ آپ یقینی طور پر گناہوں سے معصوم ہیں بلکہ یہ کسی دوسرے مقصد کے پیش نظر فرمایا گیا ہوگا جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم ہیں، اس کے باوجود آپ کو گناہ سے مغفرت طلب کرنے کا فرمایا گیا (یہ امت کی تعلیم کے لیے ہے) تاکہ اس معاملہ میں امت آپ کی پیروی کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت طلب بھی کی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: میں روزانہ ۱۰۰ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں۔''

(جلالین۔ القتال۔ تحت الآیۃ ۱۹، ص ۴۲۱)

علامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

''یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ''ذنب'' کی جو نسبت کی گئی اس سے مراد آپ کے اہل بیت کی خطائیں ہیں، نیز اس آیت میں امت کے لیے بھی بشارت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی بھی مغفرت طلب فرمائیں اور آپ کی شان یہ ہے کہ آپ شفاعت فرمانے والے اور مقبول الشفاعۃ ہیں (تو آپ جس کی مغفرت طلب فرمائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ضرور قبول ہوگی)۔''

(صاوی۔ محمد۔ تحت الآیۃ ۱۹، ۵/ ۱۹۵۸)

''وَاللّٰهُ یَعْلَمُ'' اور اللہ جانتا ہے۔ یہاں ایمان والوں اور دیگر تمام لوگوں سے خطاب فرمایا گیا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے دن کے وقت کی مشغولیات اور رات کے وقت تمہارے آرام کرنے کو جانتا ہے۔ یعنی وہ تمہارے تمام احوال کو جاننے والا ہے۔ اس سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے تو تم اس سے ڈرو۔

(جلالین مع صاوی۔ محمد۔ تحت الآیۃ ۱۹، ۵/ ۱۹۵۸)

حضور اکرم تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں:

☆وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

(کنز الایمان)

تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں، رسولوں اور فرشتوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے رحمت ہیں، دین و دنیا میں رحمت ہیں، جنات اور انسانوں کے لیے رحمت ہیں، مومن و کافر کے لیے رحمت ہیں، حیوانات، نباتات اور جمادات کے لیے رحمت ہیں۔ الغرض عالم میں جتنی چیزیں داخل ہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے لیے رحمت ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا عام ہے۔ ایمان والے کے لیے بھی اور اس کے لیے بھی جو ایمان نہ لایا۔ مومن کے لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اس کے دنیوی عذاب کو موخر کر دیا گیا اور اس سے زمین میں دھنسانے کا عذاب، شکلیں بگاڑ دینے کا عذاب اور جڑ سے اکھاڑ دینے کا عذاب اٹھا دیا گیا۔''

(خازن۔ الانبیاء۔ تحت الآیۃ ۱۰۷، ۳/ ۲۹۷)

مومنوں کو حضور اکرم کی شفاعت کی بشارت:

☆اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔

بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے۔

اس آیت میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے پیارے حبیب! صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم نے آپ کے لیے ایسی فتح کا فیصلہ فرما دیا ہے جو انتہائی عظیم، روشن اور ظاہر ہے۔

شان نزول۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''جب ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا'' سے لے کر ''فَوْزًا عَظِیْمًا'' تک آیات نازل ہوئیں اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہت حزن و ملال تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں اونٹ نحر (ذبح) فرما دیا تھا۔ (جب یہ آیات نازل ہوئیں) تو ارشاد فرمایا:

''مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے''۔

(مسلم، کتاب الجہاد والسیر)

ترمذی شریف کی روایت میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حدیبیہ سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ''لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ''۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آج مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے روئے زمین پر موجود

تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔‘‘

پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارک ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا لیکن (ابھی تک یہ بیان نہیں فرمایا گیا کہ) ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

’’لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ۔ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا۔‘‘

(ترمذی، کتاب التفسیر باب ومن سورۃ الفتح ۵)

(ترجمہ از کنز العرفان) تاکہ وہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو ان باغوں میں داخل فرما دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور تاکہ اللہ ان کی برائیاں ان سے مٹا دے اور یہ اللہ کے یہاں بڑی کامیابی ہے۔

ان آیات کریمہ کے علاوہ بھی اور متعدد آیات مبارکہ گنائی جاسکتی ہیں جن سے شفاعت شرعی کے جواز اور وقوع کا ثبوت عام ازیں کہ دنیا میں ہو یا قبر و قیامت میں یہ روز روشن سے زیادہ واضح ہوتا ہے اور اس میں کسی طرح بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

مقام مصطفیٰ کے تعلق سے امام الحکمۃ والکلام علامہ فضل حق خیر آبادی متوفی ۱۸۶۱ء رقمطراز ہیں:

’’الحاصل یہ کہ قرآن حکیم اول سے آخر تک حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت اور نیابت الٰہیہ کو بیان کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اور بلندی مرتبہ پر دلیل صادق ہے۔ اس کے احاطہ کے لیے بڑی تفصیل درکار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء و مرسلین کے سردار، اللہ تعالیٰ کے دربار میں اولین و آخرین سے زیادہ معزز اور اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء و مرسلین کا امام اور سردار بنایا اور تمام انبیاء و مرسلین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری اور امداد کا وعدہ لیا اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا طالب ہے۔‘‘

(تحقیق الفتویٰ ص ۹۶)

آہ! اسیر مفتی اعظم الحاج محمد رفیق عرف منا بھائی نہ رہے

مؤرخہ ۱۵ رجب المرجب ۱۴۴۵ھ/ ۲۷ جنوری ۲۰۲۴ء بروز ہفتہ صبح کے وقت ’’رضا اکیڈمی‘‘ ممبئی کے سربراہ ہمدرد قوم ملت اسیر مفتی اعظم، الحاج محمد سعید نوری صاحب کے چھوٹے بھائی، عاشق غوث اعظم، اسیر مفتی اعظم، الحاج محمد رفیق رضوی نوری عرف مُنّا بھائی کا ممبئی میں واقع اپنی رہائش گاہ پر انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف ۶۲ سال کی عمر مکمل کر چکے تھے اور کئی مہینوں سے زیر علاج تھے۔ آپ نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ ریحان ملت، خطیب اعظم حضرت علامہ توصیف رضا خاں قادری بریلوی مدظلہ کے برادر نسبتی بھی تھے۔ آپ نہایت خلیق، ملنسار، بلند اخلاق، دیندار، مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت میں سرگرداں رہنے والے اور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے جاں نثار مرید تھے۔ انتقال کی خبر سن کر حضور صاحب سجادہ حضرت سبحانی میاں صاحب قبلہ نے دعائے مغفرت کی، اسیر مفتی اعظم الحاج سعید نوری صاحب سے بذریعہ فون تعزیت کی اور اپنے گہرے رنج کا اظہار فرمایا۔ (محمد سلیم بریلوی)

ملفوظات خواجۂ خواجگاں کی جلوہ باریاں

از: صاحبزادہ وجانشین فقیہ ملت مفتی ازہار احمد امجدی ازہری

اردو دینی کتابوں کی دنیا سے شغف رکھنے والا ہر شخص تقریبا یہ بات جانتا ہے کہ اپنے وقت کی مایہ ناز کتاب ''دلیل العارفین'' سیدی وسندی، سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ و الرضوان کے ملفوظات پر مشتمل ہے، جنہیں آقائی ومولائی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کتاب میں بہترین انداز میں جمع کیا ہے۔ یہ کتاب اور بلفظ دیگر ملفوظات، بارہ مجالس پر محیط ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان مجالس میں علم وحکمت کے موتی بکھیرے ہیں، وہ علم وحکمت جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ، امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ، آپ کے جد امجد امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور دیگر صحابہ کرام و علماے عظام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سینہ بسینہ آپ تک پہنچے، اسی علم و حکمت کی روشنی میں آپ نے وضو کے فوائد، جنابت و طہارت، شریعت وطریقت، نماز، محبت، والدین کی عظمت، قدرت باری تعالیٰ، سورہ فاتحہ کی فضیلت، اوراد و وظائف اور سلوک کے درجے وغیرہ جیسے اہم مباحث کے فوائد واحکام پر بہترین گفتگو فرمائی ہے۔ ان فوائد و احکام پر عمل کرنے کی افادیت کیا ہے اور ترک کرنے والے کے نقصانات کیا ہیں؟ ان سب کو بڑے ہی صاف و واضح الفاظ میں بیان فرمادیا ہے، بعض مقامات پر اگرچہ ملفوظات مختصر ہیں اور عموما ملفوظات مختصر ہی ہوتے ہیں، مگر ان کے اندر بڑی جامعیت پائی جاتی ہے کیوں کہ ان کے ماخذ قرآن پاک، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ اور سلف صالحین کے عادات و اطوار ہی ہوتے ہیں، ان ملفوظات کی اہمیت وجامعیت کو احکام شریعت سے دلچسپی اور ان سے دلی لگاؤ رکھنے والے، بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ سردست ہم ان شاء اللہ ساتویں اور آٹھویں مجلس کے تحت مندرج ملفوظات کی روشنی میں گفتگو کرنے کی کوشش کریں گے۔

ساتویں مجلس: حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان نے ساتویں مجلس کے تحت احادیث کی روشنی میں سورہ فاتحہ سے متعلق، قدرے تفصیل سے کلام فرمایا ہے، اس کی فضیلت، عظمت، فوائد اور اس کے اسرار ورموز پر عمدہ روشنی ڈالی ہے، اس کی بعض جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

دلیل العارفین میں ہے:

''حدیث میں ہے کہ جسے کوئی مشکل پیش آجائے، وہ حسب ذیل طریقہ سے سورہ فاتحہ پڑھے:

'' بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ'' یعنی رحیم کی میم کو الحمد کے لام سے ملائے اور آمین کے وقت تین مرتبہ آمین کہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو حل کر دے گا''۔

(مجلس ۷، ص ۲۶، ط: شبیر برادرز، لاہور)

نیز اسی میں ہے:

''بعدازاں فرمایا کہ: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور یارآں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت سی کرامتیں عنایت فرمائی ہیں کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آکر کہا کہ: حکم الٰہی ہے کہ میں نے تیرے پاس جو کتاب بھیجی ہے، اس میں ایک ایسی سورہ ہے کہ اگر وہ تورات میں ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کی امت سے کوئی شخص یہود نہ ہوتا۔ اگر انجیل میں ہوتی تو کوئی عیسائی بت پرست نہ ہوتا۔ اگر زبور میں ہوتی تو کوئی شخص داؤد علیہ السلام کی امت سے مغ (آتش پرست) نہ بنتا۔ اس واسطے یہ بھیجی گئی ہے تاکہ اس کی برکت کے بعد تیری امت اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرے اور قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے خلاصی پاوے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کون سی سورہ ہے، فرمایا کہ: وہ سورہ فاتحہ ہے۔ پھر جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا: مجھے اس خدا کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اگر روے زمین کے دریا سیاہی اور تمام درخت قلم بن جائیں اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کاغذ ہو جائیں اور ابتدائے عالم سے لے کر، سب فرشتے اور آدمی اس کے فضائل لکھتے رہیں تو اس کی فضیلت بھی نہ لکھ سکیں''۔

(مجالس ۷، ص ۲۷، ط: شبیر برادرز، لاہور)

یقیناً سورہ فاتحہ کے فضائل اور اس کے اسرار و رموز بے شمار ہیں، ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، مگر حضرت خواجہ غریب علیہ الرحمۃ و الرضوان نے جب بزم اس کے ذکر کی سجائی ہے تو مناسب ہے کہ مزید احادیث طیبہ کی روشنی میں اس کی عظمت و رفعت کو واضح کر دیا جائے، ملاحظہ فرمائیں:

حدیث پاک میں ہے:

عن أبی سعید بن المعلی رضی الله عنه، قال رسول الله صلی الله علیه و سلم: ألا أعلِّمُك أعظمَ سورةٍ فی القرآنِ قبل أن تخرج من المسجدِ فأخذ بیدیَّ، فلما أردْنا أن نخرج، قلتُ: یا رسولَ اللهِ، إنك قلتَ: لأعلِّمنَّك أعظمَ سورةٍ من القرآن قال: الحمْدُ للهِ رَبِّ العَالمِینَ هی السبعُ المثانی، والقرآنُ العظیمُ الذی أوتیتُه۔

(صحیح البخاری، باب ماجاء فی فاتحة الکتاب، ج ۶ ص ۱۷، رقم: ۴۴۷۴، ط: دارطوق النجاة)

ترجمہ: حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تمہیں اجر کے اعتبار سے قرآن شریف کی سب سے بڑی سورہ نہ بتادوں تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، پھر جب ہم نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا: میں تمہیں قرآن کی سب بڑی سورہ سکھاؤں گا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم نے فرمایا: یہ سورہ فاتحہ ''الحمْدُ للهِ رَبِّ العَالمِینَ''، یہی سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا۔

دوسری حدیث پاک میں ہے:

عن ابنِ عباسٍ رضی الله تعالی عنهما، قال: بینما جبریلُ قاعدٌ عند النبیِّ صلی اللهُ علیهِ وسلمَ۔ سمع نقیضًا من فوقِه فرفع رأسَه فقال: هذا بابٌ من السماءِ فُتِحَ الیومَ لم یُفتَح قط إلا الیومَ فنزل منهُ ملكٌ فقال: هذا ملكٌ نزل إلی الأرضِ لم

ینزل قط إلا الیومَ فسلَّم وقال: أبشِرْ بنورینِ أوتیتهما لم یؤتهما نبیٌّ قبلك فاتحةُ الکتابِ وخواتیمُ سورةِ البقرةِ لن تقرأَ بحرفٍ منهما إلا أُعطیتَه۔

(صحیح مسلم، باب فضل الفاتحۃ، ج۱ص۵۵۴، رقم:۲۵۴، ط: دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، اسی درمیان آپ نے اپنے اوپر سے ایک آواز سنی تو آپ نے اپنا سر اوپر کی جانب اٹھایا اور فرمایا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جسے آج کھولا گیا، آج کے سوا اسے کبھی نہیں کھولا گیا، اس سے ایک فرشتہ اترا۔ پھر فرمایا: یہ فرشتہ زمین پر اترا، آج سے پہلے کبھی نہیں اترا، اس نے سلام کیا اور عرض کیا: آپ کو دو نور کی بشارت ہو، جنہیں آپ کو دیا گیا، اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا، سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں، آپ ان میں سے جو حرف بھی پڑھیں گے، آپ کو عطا کیا جائے گا۔

تیسری حدیث پاک میں ہے:

أن رهطًا من أصحاب رسول الله صلى اللهُ عليه وسلم انطلقوا فی سفرة سافروها، حتى نزلوا بحی من أحياء العرب، فاستضافوهم فأبوا أن يضيفوهم، فلُدِغ سيد ذلك الحی، فسعوا له بكل شیء لا ينفعه شیء، فقال بعضهم: لو أتيتم هؤلاء الرهط الذين قد نزلوا بكم، لعله أن يكون عِندَ بعضهم شیء، فأتوهم فقالوا: يا أيها الرهط، إن سيدنا لُدِغ، فسعينا له بكل شیء لا ينفعه شیء، فهل عِندَ أحدٍ منكم شیء؟ فقال بعضهم: نعم، والله إنی لراقٍ، ولكن والله لقد استضفناكم فلم تضيفونا، فما أنا براقٍ لكم حتى تجعلوا لنا جعلًا، فصالحوهم على قطيع من الغنم، فانطلق فجعل يتفل ويقرأ: "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" حتى لكأنما نشط من عقال، فانطلق يمشی ما به قُلْبة، قال: فأوفوهم جعلهم الذی صالحوهم عليه، فقال بعضهم: اقسموا، فقال الذی رقی: لا تفعلوا حتى نأتی رسول الله صلى الله عليه وسلم فنذكر له الذی كان، فننظر ما يأمرنا، فقدِموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكروا له، فقال: "وما يدريك أنها رقية؟ أصبتم، اقسموا واضربوا لی معكم بسهم۔"

(صحیح البخاری، باب مایعطی فی الرقیۃ علی أحیاء العرب بفاتحۃ الکتاب، ج۳ص۹۲، رقم:۲۲۷۶، ط: دار طوق النجاۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت سفر میں تھی، وہ عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کے پاس رکے، انہوں نے ان سے ضیافت چاہی تو ان لوگوں نے ضیافت سے انکار کر دیا، پھر اس قبیلہ کے سردار کو سانپ یا بچھو نے ڈس لیا، انہوں نے ہر طرح سے اس کے علاج کی کوشش کی مگر اسے کچھ فائدہ نہیں ہوا، ان میں سے بعض نے کہا: تمہیں اس جماعت کے پاس جانا چاہیے جو تمہارے پاس رکے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس اس کا کچھ علاج ہو، وہ لوگ ان کے پاس آئے اور کہا: اے لوگو! ہمارا سردار ڈس لیا گیا ہے، ہم نے اس کے علاج کی بہت کوشش کی مگر اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچا، کیا تم میں سے کسی کے پاس اس کا علاج ہے؟ اصحاب میں سے

ایک نے فرمایا: ہاں! خدا کی قسم میں اس کا علاج کروں گا، لیکن واللہ ہم نے تم سے ضیافت طلب کی اور تم نے ہماری ضیافت قبول نہیں کی، لہٰذا میں علاج اسی وقت کروں گا جب تم مجھے اس علاج کی اجرت دو، پھر اجرت کے طور پر بکریوں کی ایک جماعت پر مصالحت ہوگئی، پھر وہ صحابی مریض کے پاس گئے اور سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ نشاط پا گیا اور چلنے لگا، گویا کہ اس کو کوئی بیماری ہی نہ تھی، راوی کہتے ہیں: ان سے جس اجرت پر مصالحت ہوئی تھی انہوں نے اسے پورا کیا، بعض اصحاب نے فرمایا: انہیں تقسیم کردو تو جس نے علاج کیا تھا، انہوں نے فرمایا: ایسا نہ کرو یہاں تک کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور جو معاملہ ہوا، اسے پیش کردیں، پھر دیکھیں کہ کیا حکم فرماتے ہیں، پھر وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور معاملہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس سے علاج کیا جاتا ہے؟ تم نے ٹھیک کیا، آپس میں تقسیم کرلو اور مجھے بھی ایک حصہ دو۔

(فقہائے کرام نے اس واقعہ سے تعویذ وغیرہ کی اجرت لینے کے جواز پر استدلال کیا ہے)

چوتھی حدیث پاک میں ہے:

إذا وضعت جنبك على الفراش وقرأت بفاتحة الكتاب: و"قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ" فقد أمنت من كل شيء إلا الموت۔

(الجامع الصغیر، امام سیوطی علیہ الرحمۃ، رقم: ۱۷۳۵)

ترجمہ: جب تم بستر پر گئے اور تم نے سورہ فاتحہ اور "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ" پڑھ لیا تو تم موت کے سوا ہر چیز سے محفوظ ہوگئے۔

پانچویں حدیث پاک میں ہے:

فاتحة الكتاب وآية الكرسي لا يقرؤهما عبد في دار فيصيبهم ذلك اليوم عين إنس أو جِنّ۔

(الجامع الصغیر، امام سیوطی علیہ الرحمۃ، رقم: ۸۳۸۶)

ترجمہ: اگر کوئی بندہ سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی کسی گھر میں پڑھ لیتا ہے تو اس دن اسے انس وجن میں سے کسی کی نظر نہیں لگتی۔

آٹھویں مجلس: اس میں کوئی شک نہیں کہ آیات قرآنیہ اور احادیث طیبہ میں وارد اوراد ووظائف اور عبادات اپنی مثال آپ ہیں اور اسی طرح ان سے اخذ کرنے کے بعد علمائے کرام واولیائے عظام کے فیض ترجمان سے صادر ہونے والے اوراد ووظائف اور معمولات بھی بڑی اہمیت وفضیلت کے حامل ہیں، اگر ان عبادات اور اوراد ووظائف ومعمولات کا اہتمام کیا جائے اور اس پر استقامت برتی جائے تو ایک انسان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے طرح طرح کے اسرار ورموز کھل کر سامنے آتے ہیں اور فرائض وواجبات کے ساتھ ان اوراد ووظائف کا التزام کرنے اور استقامت کے ساتھ نوافل کی صورت میں عبادت وریاضت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنا قرب خاص عطا فرماتا ہے، لیکن اگر اس پر دوام نہ برتا جائے اور اس کے اہتمام کا حق نہ ادا کیا جائے تو اس کا نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

دلیل العارفین میں ہے:

''زبان مبارک سے فرمایا کہ جو شخص ورد مقرر کرے، اسے روزانہ پڑھنا چاہیے اور دن کو اگر نہ پڑھ سکے تو رات کو ضرور پڑھے، لیکن پڑھے ضرور۔ بعد ازاں کسی اور کام میں مشغول ہوئے کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ ورد کا تارک لعنتی ہے۔ بعد ازاں اسی موقع

کے مناسب فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا رضی الدین علیہ الرحمۃ گھوڑے پر سے گر پڑے، جس سے پاؤں میں چوٹ آ گئی، جب گھر آئے تو سوچا کہ یہ بلا مجھ پر کہاں سے آئی، یاد آیا کہ صبح کی نماز کے بعد سورہ یٰسین پڑھا کرتا تھا، وہ آج نہیں پڑھ سکا۔

پھر اسی موقع کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ دین خواجہ عبداللہ مبارک سے ایک مرتبہ وظیفہ نہ ہوسکا، اسی وقت غیب سے آواز آئی کہ اے عبداللہ جو عہد تو نے ہم سے کیا تھا، شاید تو بھول گیا ہے، یعنی وظیفہ تو نے آج نہیں پڑھا۔

پھر فرمایا کہ انبیا اور اولیا و مشائخ اور مردان خدا رحمۃ اللہ علیہم کا وظیفہ جو ہوتا ہے، وہ برابر پڑھتے ہیں اور جو کچھ اپنے پیروں سے سنتے ہیں، بجالاتے ہیں۔ بعد ازاں فرمایا کہ جو ورد ہمارے خواجگان سے منقول ہیں، وہ ہم پڑھتے ہیں، تم بھی پڑھا کرو تا کہ وظیفے ناغہ نہ ہوں''۔

(مجلس ۸، ص ۲۸، ۲۹، شبیر برادرز، لاہور)

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ و الرضوان کے ان ملفوظات سے روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ عبادات، اوراد و وظائف پر دوام برتنا چاہیے اور استقامت سے کام لینا چاہیے اور بلا مجبوری ترک کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیوں کہ دوام میں اطمینان وسکون ہے اور ترک میں اضطراب اور پریشانی۔ قرآن پاک اور احادیث طیبہ میں بھی اسی دوام واستقامت کی تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ (ھود: ۱۱، آیت: ۱۱۲)

ترجمہ: تو قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا ہے اور اے لوگو سرکشی نہ کرو، بے شک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

(کنز الإیمان)

عَنْ عَائِشَةَ رضی الله تعالی عنها، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَاعْلَمُوا أَنْ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الجَنَّةَ، وَأَنَّ أَحَبَّ الأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ۔"

(صحیح البخاری، باب القصد و المداومة علی العمل، ج ۸ ص ۹۸، رقم: ۶۴۶۴، ط: دار طوق النجاۃ)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ''استقامت سے کام لو اور استقامت کے قریب رہو اور جان لو کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل ہرگز جنت میں داخل نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل ہمیشگی والا ہے اگرچہ تھوڑا ہو۔''

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالی عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ"

(صحیح البخاری، باب التواضع، ج ۸ ص ۱۰۵، رقم: ۶۵۰۲، ط: دار طوق النجاۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میں نے اس سے جنگ کا

اعلان کیا، اور میرے نزدیک فرض سے زیادہ محبوب کسی چیز سے بندہ نے میری قربت حاصل نہیں کی، پھر بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، پھر جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں؛ تو میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر کوئی چیز مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے فرائض ونوافل کا التزام کرنے والے بندے کے کام کو بہت آسان فرمادیتا ہے، جو بات عام آدمی نہیں سن سکتا، وہ بات اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ باآسانی سن لیتا ہے، دیگر امور بھی اسی طرح بسہولت انجام پاتے ہیں۔

مندرجہ بالا بعض قرآنی آیات، احادیث طیبہ اور ان سے ماخوذ خواجہ خواجگاں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سنجری علیہ الرحمۃ و الرضوان کے ملفوظات سے واضح ہوجاتا ہے کہ سورہ فاتحہ کی بہت زیادہ فضیلت ہے اور اس کے پڑھنے کے فوائد بھی بہت زیادہ ہیں اور اسی طرح سے دوام وہمیشگی کی عبادت وعمل زیادہ کارگر ہیں اور یہی علمائے کرام اور اولیائے عظام کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ وہ جو عبادت و ورد کرتے ہیں اس میں ہمیشگی فرماتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب پاک کے صدقہ طفیل قرآن وحدیث اور علمائے کرام واولیائے عظام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم۔

”مل کر ہے بچانا یہ چمن“

(انسانیت کے خیرخواہوں کے نام ایک پیغام)

از۔ مولانا سلمان رضا فریدی، مسقط عمان

ہے خزاؤں کی عداوت کا نشانہ یہ چمن
ہم کریں رنگِ اُخوت سے سُہانا یہ چمن

شَر پسندوں کا ہے ایوانِ وطن پر قبضہ
سب وفاداروں کو مِل کر ہے بچانا یہ چمن

آہ! کوئی تو یہ شعلوں کی سیاست روکے
باغباں چاہتے ہیں خود ہی جلانا یہ چمن

آج ہم اپنی ہی غفلت سے ہوئے ہیں کمزور
خود ہمیں جاگ کے، لازم ہے جگانا یہ چمن

یہ سِسکتے ہوئے منظر نہیں دیکھے جاتے
ہم کو راحت کے گلوں سے ہے سجانا یہ چمن

نہ ہوں روتی ہوئی مائیں، نہ بِلکتے بچے
قیدِ آزار وستم سے ہے چُھڑانا یہ چمن

ہر عدالت میں ہو انصاف کی بالا دستی
سب کو مِل کر ہے اِسی رنگ میں لانا یہ چمن

لاکھ، پھولوں کی زباں پر ہوں تشدد کے حصار
گائے گا جرأت و ہمت کا ترانہ یہ چمن

منہ کی کھائیں گے جو ہیں امن ومحبت کے خلاف
فیضِ خواجہ سے ہے تاحشر، توانا یہ چمن

ہم سبھی اہلِ وفا، عہد کریں آج کے دن
ہونے دینگے نہ جفاؤں کا ٹھکانا یہ چمن

اے فریدیؔ ہوں محبت کے ترانے ہر سمت
کاش پا جائے وہی ساز پرانا یہ چمن

مفتیِ اعظم اور مسئلہ جماعت وتر

از۔ مفتی فوادرضا قادری مظہری بریلوی، سوداگران بریلی شریف

اللہ تبارک وتعالیٰ کے کچھ مقبول بندے ایسے ہیں کہ ان کی ذات پر بہت کچھ لکھا گیا اور رہتی دنیا تک لکھا جاتا رہے گا مگر حق یہ ہے کہ پھر بھی ان کا حق ادا نہ ہوا نہ ہوگا۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

قُل لَو کَانَ البَحرُ مِداداً لِکَلِمَاتِ رَبِّی لَنَفِدَ البَحرُ قَبلَ أن تَنفَدَ کَلِمَاتُ رَبِّی وَ لَو جِئنَا بِمِثلِهِ مَدَداً۔

ترجمہ: اے محبوب تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے روشنائی ہوجائے تو سمندر ختم ہوجائے گا قبل اس کے میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگر چہ ہم اس جیسا دوسرا اس کی مدد کو لے آئیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلمات اس کی صفت قدیمہ ہیں جو ختم ہونے، مٹ جانے سے منزہ ومبرا ہیں، یہاں اللہ رب العزت اپنے محبوب شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے مستفیض ہونے والے اولیاء کے متعلق فرمارہا ہے کہ اگر ان کی نعت ومنقبت کو سمندر روشنائی ہوجائے تو وہ ختم ہوجائے گا مگر اللہ کے محبوبین ومقربین کے فضائل ومناقب، اوصاف وکمالات ختم نہ ہوں گے اگر چہ اس جیسا ایک اور سمندر اس کی مدد کو لے آیا جائے۔

(ماخوذ از آن لائن سوال جواب سیشن حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ مفہوماً ۱۹/دسمبر ۲۰۱۰ء)

بلا شبہ حضور مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکت انہیں مقبول بندوں میں سے ایک تھی۔ اگر صرف آپ کی کرامات جو عوام تو عوام اہل علم وفضل کی زبانوں پر بھی جاری ہیں انہیں جمع کیا جائے تو دفتر تیار ہوجائے، پھر مختلف موضوعات پر کئی یادگار تصانیف و رسائل ہیں جن میں فتاویٰ کا ایک عظیم مجموعہ ''فتاوی مصطفویہ'' کی شکل میں ہمارے سامنے ہے مگر اس مجموعہ میں شامل فتاوی کے علاوہ اور دیگر ہزاروں فتاویٰ ہیں جو شامل کتاب نہ ہوسکے۔

سیدی مرشدی حضور تاج الشریعہ قدس سرہ نے فقیر سے بیان فرمایا کہ ''جب وصال فرمایا تو دارالافتاء میں ۹۵/رجسٹر تھے، جس میں ۴۵/رجسٹر ایسے تھے جن میں صرف حضرت کے فتاویٰ تھے۔''

افسوس! بہت کچھ حوادث زمانہ کی نظر ہوگیا یا لوگوں کی الماری کی زینت ہے اگر تمام یا اکثر شائع ہو جائیں تو ''فتاوی رضویہ'' کے مجلدات کے برابر ہوں۔

مفتی اعظم کے حواشی وتعلیقات: تصانیف وفتاویٰ کے علاوہ آپ نے متعدد کتابوں پر حواشی وتعلیقات بھی تحریر فرمائے تھے۔

حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب نوری علیہ الرحمہ کا بیان ہے:

''حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بہت سی کتابوں پر قلمی حواشی وفوائد ''رضوی دارالافتاء'' میں تھے، مگر جب ''رضوی دارالافتاء'' کی کتابیں خرد برد ہوئیں وہ سب ادھر ادھر ہوگئے۔

(جہان مفتی اعظم، ص ۷۷)

جن حاشیوں کا علم راقم کو ہوسکا وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) حاشیہ تفسیرات احمدیہ۔

(تقدیم "فتاویٰ مصطفویہ از فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ ۱/۳۱)

استاذی الکریم، خلیفہ مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی عبید الرحمٰن صاحب قبلہ مدظلہ العالی (شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام و مفتی رضوی دار الافتاء بریلی شریف) کا بیان ہے کہ:

"تفسیرات احمدیہ پر حضرت نے باریک قلم سے حاشیہ تحریر فرمایا تھا۔"

یعنی یہ حاشیہ باعتبار حجم بھی عظیم تھا۔

(۲) حاشیہ فتاوی عزیزیہ۔

(مرجع سابق)

یہ حاشیہ نبیرۂ اعلیٰ حضرت مفتی ارسلان رضا خان صاحب حفظہ اللہ کی تحویل میں ہے۔

(۳) حواشی فتاوی قاضی خان۔

چند سال قبل ایک جلد کی زیارت "رضوی دار الافتاء" میں استاذ محترم (مفتی عبید الرحمٰن صاحب) نے کرائی تھی۔ ایک صفحہ پر دو بین السطور حواشی تھے۔ آپ نے نشاندھی فرمائی یہ اعلیٰ حضرت کا ہے اور یہ حضرت کا ہے۔ اس دور کی ایک یہ کتاب "رضوی دار الافتاء" میں رہ گئی تھی جس پر مفتی اعظم کی تعلیق بھی ہے۔

(۴) حاشیہ ہدایہ۔

(۵) حاشیہ تیسیر شرح جامع صغیر۔

(۶) حاشیہ الاکلیل علی مدارك التنزیل۔

استاذ گرامی نے ان تینوں حواشی کا ذکر ہماری جماعت تخصص فی الفقہ سال دوم ۲۰۲۲ء سے فرمایا تھا۔

(۷) حاشیہ فتح القدیر۔

استاذ محترم نے راقم السطور سے حضرت مولانا مفتی عمر صاحب منظری (مدرس دار العلوم مظہر اسلام وخطیب وامام بی بی جی مسجد) کی موجودگی میں بیان فرمایا:

"حضرت (مفتی اعظم) کا حاشیہ پوری "فتح القدیر" پر تھا ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔"

اللہ اکبر! نہ جانے اور کتنے جواہر پارے ہوں گے جن کا باقاعدہ ذکر بھی ہم وابستگان سلسلہ تک نہیں پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۸) حاشیہ حلبی صغیر۔

خود حضرت مفتی اعظم نے "حلبی صغیر" پر اپنے حاشیہ کا تذکرہ کیا ہے جسے ہم عنقریب نقل کریں گے۔

لہٰذا یہ کل آٹھ حاشیے ہوئے جن میں ایک بھی مطبوع نہیں۔ البتہ "فتاوی رضویہ" جلد اول وخامس پر آپ کے فوائد وحواشی مطبوع ہیں۔ یونہی "کشف ضلال دیوبند حاشیہ الاستمداد علی اجیال الارتداد" بھی مطبوع ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی متعدد قلمی خدمات تو مطبوع نہیں مگر جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں ہے اس سے ان کی شان عبقری اظہر من الشمس ہے۔

مفتی اعظم پر اکرام رضا: اگر ان خدمات میں سے کچھ بھی مطبوع نہ ہوتا جب بھی مفتی اعظم کا فقہی مقام دکھانے کے لئے یہ بہت ہوتا کہ ان کے والد ماجد شیخ الاسلام والمسلمین ضیاء الملۃ و الدین اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے آپ کے پہلے فتویٰ پر بغیر کسی رد و بدل کے تصدیق

فرمائی اور انعام عطا فرما کر ارشاد فرمایا:

''تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں، اب فتویٰ لکھا کرو، اپنا ایک رجسٹر بنا لو، اس میں نقل بھی کیا کرو۔

(جہان مفتی اعظم ص ۱۲۶)

سبحان اللہ! نہ صرف فتویٰ لکھنے کی اجازت عطا فرمائی بلکہ محفوظ کرنے کا حکم بھی دیا۔ معلوم ہوا ضرور ان کے پہلے فتوی میں شان تفقہ ایسی ظاہر تھی جب ہی تو اعلیٰ حضرت نے نقل کی تاکید فرمائی ورنہ فتاوی نقل کئے ہی جاتے ہیں۔

فتاوی رضویہ اور مفتی اعظم: فقہ حنفی کے انسائکلو پیڈیا ''العطایاالنبویة فی الفتاوی الرضویة ''میں بھی آپ کی فقاہت دیکھی جاسکتی ہے چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ ''فتاوی رضویہ'' جلد اول کی ترتیب دے رہے تھے اسی وقت اپنے اس جوان ولد صالح کا مشورہ قبول کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہوا یوں کچھ کہ متن میں یہ مسئلہ درج تھا:

''اگر اسے ظن غالب تھا کہ (پانی) نہ دے گا (یا شک تھا) اور اس نے تیمّم سے پڑھ لی بعدہ، اس نے پانی دے دیا (بطور خود، خواہ) اس کے مانگے سے تو نماز نہ ہوئی۔''

(فتاویٰ رضویہ جلد ا ص ۷۶۳)

اس پر حاشیہ میں فرماتے ہیں:

''ولد عزیز مولوی مصطفیٰ رضا خاں سلّمہ ذوالجلال ورقاہ الی مدارج الکمال نے یہاں ایک تقیید حسن کا مشورہ دیا کہ صاحب آب (پانے کے مالک) کے پاس اس وقت کے بعد نیا پانی اور نہ آ گیا ہو ورنہ آبِ کثیر میں سے دے دینا اُس ظن وشک کو کہ قلتِ آب کی حالت میں تھا دفع نہ کرے گا۔ وکان ذلك عند تبییض الرسالة للطبع فی ١٦ من المحرم الحرام ١٣٣٦ھ وللّٰہ الحمد''

اعلیٰ حضرت کا اس قید کو شامل کتاب کرنا اس کی اہمیت بتانے کے لئے کافی تھا مگر اس پر مزید تنبیہ فرما کر اس کی منزلت و وقعت کو اور بڑھا دیا۔ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ قید ضرور قابلِ لحاظ ہے اگر چہ کتابوں میں نظر سے نہ گزری''

(مرجع سابق)

اللہ اکبر! محض ۲۶ برس کی عمر میں کیا ہی دقیق نظر تھی اس واقعہ سے جہاں صاحبزادہ عالی وقار کی گہری نظر ظاہر ہوتی ہے وہیں والد بزرگوار کی اصاغر نوازی بھی اجاگر ہوتی ہے۔

رضوی دارالافتاء کا اہتمام وانصرام: غالباً یہی وجہ ہے کہ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مفتی اعظم ہند کو اپنے دارالافتاء کا مہتمم بنا دیا تھا گویا مفتی اعظم ہونے کا اشارہ کر دیا تھا۔ سیدی تاج الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''رضوی دارالافتاء جو حضور مفتی اعظم ہند نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی یادگار ہے بلکہ وہ اعلیٰ حضرت نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی یادگار ہے۔ اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ نے رضوی دارالافتاء قائم فرمایا تھا اور اس کا نگراں حضور مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ کو بنایا تھا، اور اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کے بعد رضوی دارالافتاء کے سب کچھ حضور مفتی اعظم ہند رہے۔''

(تاج الشریعہ کی فقہی مجالس، ص ۱۵۳)

أولئك ساداتی فجئنی بمثلهم

إذا جمعتنا یا جریر المجامع

حیات اعلیٰ حضرت میں عظیم خدمات: حضرت شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور مفتی اعظم ہند کی جلالت علمی اور آپ پر سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت کی نوازش و

عنایات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''انہیں (یعنی نو جوانی کے) ایام میں دیوبندیوں کے بقیۃ السلف حکیم الامت جناب تھانوی صاحب نے ''حفظ الایمان'' کی کفری عبارت کی رفوگری میں ''بسط البنان ''لکھی جسے مطالعہ کرنے کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند نے ''وقعات السنان ''اور ''ادخال السنان ''تالیف فرمائی جسے رجسٹری کر کے تھانہ بھون بھیج دیا گیا، مگر ان دونوں کے جواب سے نہ صرف تھانوی صاحب بلکہ ان کی پوری برادری عاجز ہے اور عاجز رہے گی۔

''وقعات السنان ''اور ''ادخال السنان ''کے زخموں کی تاب نہ لاکر بہ لباس باطنی تھانوی صاحب نے اپنے ایک نیاز مند سے کچھ سوالات کرائے، ان کے جوابات کے لئے بھی حضرت مفتی اعظم ہند میدان میں آئے اور ''الموت الاحمر ''لکھ کر اکابر دیوبندیہ کی تکفیر کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور حجت الہیہ ان پر تام فرمادی اور ''من هلك هلك عن بينة و من حى حى عن بينة'' کا جلوہ دنیا کو دکھادیا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں حضرت مفتی اعظم ہند کے وہ کارنامے ہیں جنہیں دیکھ کر عالم تصور میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شیر ہے جو تن تنہا پوری دنیا سے چومکھا لڑ رہا ہے اور اپنے حملۂ جان ستاں سے مخالفین کو ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' کا مزہ چکھا رہا ہے۔''

(مقالات شارح بخاری، جلد۳ص،۱۳۴،۱۳۳)

یہ چند سطور ذکر مفتی اعظم میں تحریر ہوئیں اب مضمون کے دوسرے پہلو کی طرف توجہ کرتے ہیں:

مسئلہ جماعت وتر: راقم السطور کی نظر سے ''فتاوی مفتی اعظم'' میں ایک ایسا تحقیقی تفصیلی فتویٰ نظر سے گزرا جس کے متعلق کسی کا مقالہ ہمیں نہیں مل سکا۔ لہٰذا اسی وقت ارادہ کرلیا تھا کہ ضرور اس پر کچھ خامہ فرسائی کروں گا اور الحمد للہ آج وہ گھڑی آ گئی۔

سوال: حضور مفتی اعظم سے سوال ہوا کہ کچھ لوگوں نے مسجد میں تنہا فرض عشاء پڑھی پھر امام کے ساتھ تراویح پڑھی اور جب تراویح ختم ہوئی تو ان کے ذمہ کچھ تراویح تھیں تو اب وہ جماعت وتر میں شامل ہو جائیں یا پہلے بقیہ تراویح ادا کریں اور جماعت وتر چھوڑ دیں؟ بعض لوگ بحوالہ ''صغیری'' کہتے ہیں کہ نماز وتر میں شامل ہو جائیں اور بعد کو تراویح پوری کریں اگرچہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے کیوں کہ جماعت وتر تابع جماعت تراویح کے ہے اس لئے وتر کی جماعت نہ چھوڑیں اور بعض بحوالہ ''بہار شریعت'' کہتے کہ اگر فرض عشاء جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی تو وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔

جواب: حضور مفتی اعظم نے ابتدا، نفس مسئلہ سے فرمائی کہ:

''جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں وہ وتر کی جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا۔''

پھر وجہ، تفصیل سے ذکر کی جس کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

(۱) ''جماعت وتر مستقل نہیں بلکہ تبعاً ہے کہ وہ از قبیل نفل ہے یا تو رمضان کے تابع ہے یعنی اسی میں مشروع ہے (غیر رمضان میں بر سبیل تداعی مکروہ ہے کما فی ردالمحتار) یا پھر فرض عشاء کے تابع ہے یا تراویح کے تابع ہے۔ مشہور یہی ہے کہ ان دونوں کے تابع ہے۔''

(۲) ''اگر جماعت وتر فرض عشاء کے تابع ہے جب تو ظاہر ہے کہ وتر جماعت سے نہیں پڑھ سکتا۔''

(۳)''رمضان کے تابع مانیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ رمضان میں وتر جماعت سے ہی پڑھے جائیں بلکہ یہ ہے کہ رمضان میں وتر جماعت سے پڑھ سکتے ہیں تو جماعت سے ہی پڑھنا اس سے کب متبادر؟''

(۴)''اگر تراویح کے تابع مانو تو یہاں بھی وہی پچھلی صورت ہوگی یعنی بعد تراویح جماعت وتر ہوسکتی ہے۔''

(۵)''فی الجملہ تینوں صورتوں میں سے کچھ بھی مانیں تبعیت فرض سے جماعت وتر نہیں نکلتی، رمضان کے تابع مانو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ فقط رمضان میں جماعت وتر، عشاء یا تراویح کے تابع ہوگی۔ یہ نہیں کہ اس کی مستقل طور پر جماعت ہوگی۔ فقہائے کرام میں سے کسی نے اس کی صراحت نہیں فرمائی۔''

(۶)''ہاں علماء کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے فرض جماعت سے نہیں پڑھے تو وہ تراویح بھی جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ وہ پڑھ سکتا ہے۔''

(۷)''نماز وتر کا مستقل ہونا اور بات اور اس میں جماعت کا مستقل ہونا اور بات۔''

ثمرۂ خلاف: اوپر گزرا جماعت وتر کی تبعیت میں اختلاف ہے کسی کے یہاں فرض عشاء کے تابع ہے تو کسی کے یہاں جماعت تراویح کے اور کسی کے نزدیک رمضان کے تابع ہے، تو خلاف کا ثمرہ کیا ہوا؟ حضور مفتی اعظم رقمطراز ہیں:

''اس خلاف کا ثمرہ یہ نہیں کہ جن کے نزدیک جماعت وتر تابع جماعت فرض ہے وہی بحالت فوت جماعت عشاء، جماعت وتر سے ممانعت کریں اور جن کے نزدیک اس کی جماعت تابع جماعت تراویح ہے وہ اس نے جب کہ جماعت تراویح فوت نہ کی یا اور جن کے نزدیک تابع رمضان ہے اسے مطلقا جماعت وتر کی اجازت دیں بلکہ اس خلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ جس نے فرض ایک امام کے پیچھے پڑھے اور تراویح دوسرے امام کے پیچھے، یا فرض وتراویح دونوں ایک امام کے پیچھے اور وتر دوسرے کی اقتدا سے، یا فرض جماعت سے اور تراویح بے جماعت پوری، یا کچھ جماعت سے یا بالکل نہ پڑھیں تو جو اس کی جماعت تابع جماعت فرض ٹھہراتے ہیں وہ امام فرض کے پیچھے ان سب صورتوں میں اس کی جماعت جائز بتاتے ہیں، دوسرے کے پیچھے اجازت نہیں دیتے۔ اور جو جماعت تراویح کے تابع بتاتے ہیں وہ امام تراویح کے پیچھے بشرط یہ کہ اس نے تراویح سب یا کچھ جماعت سے ادا کی ہوں، اور جو اسے رمضان کے تابع ٹھہراتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام فرض کے پیچھے پڑھے یا امام تراویح کے یا کسی اور امام کے خواہ تراویح سب یا کچھ جماعت سے پڑھے ہوں یا علیحدہ یا بالکل نہ پڑھی ہوں۔''

(فتاویٰ مفتی اعظم جلد۳ص ۷۶)

اس سے آشکار ہوگیا کہ جماعت وتر جس کے بھی تابع ٹھرائیں اس میں شریک ہونے کے لئے جماعت فرض میں شرکت ضروری ہے، البتہ بوجہ خلاف تبعیت جماعت وتر، کب کس کی اقتدا کری جائے وہ حسب صورت مختلف ہے۔

پھر اپنی تائید میں مجمع الانھر، تتمة الفتاوی الصغری، فتاوی تاتارخانیہ، غنیہ، رد المحتار اس کی شرح ''جد الممتار'' کی عبارتیں نقل فرمائیں بعدہ ''صغیری'' اس کی اصل کبیری (غنیتہ المتملی) کی طرف مراجعت کی، لکھتے ہیں:

''صغیری اور اس کی اصل کبیری میں یہ مسئلہ ہماری نظر میں دو جگہ ہے

کہ اگر کسی کا ایک تراویح یا دو تراویح یا اکثر فوت ہو گئے اور امام وتر کو کھڑا ہو گیا تو یہ امام کے ساتھ وتر پڑھے یا اپنی باقی تراویح ادا کرے۔ دونوں جگہ اس کا کہیں پتہ نہیں کہ اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے کیوں کے جماعت وتر تابع جماعت تراویح کے ہے۔''

(فتاویٰ مفتی اعظم جلد۳،ص ۷۶)

اور صغیری، کبیری کی عبارتیں نقل فرمائیں جن کا حاصل یہ ہے کہ:

''جس شخص کی چند یا اکثر رکعات تراویح امام کے پیچھے چھوٹ جائیں تو کیا وہ اُنہیں وتر سے پہلے پڑھے یا پہلے وتر ادا کرے پھر بقیہ تراویح کی تکمیل کرے؟ علامہ حلبی کہتے ہیں: ہمارے زمانے کے مشائخ کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے امام کے ساتھ وتر پڑھے تا کہ فضیلت جماعت سے محروم نہ ہو پھر فوت شدہ تراویح ادا کرے اس لئے کہ وتر کے بعد بھی جائز ہے اور بعض کہتے ہیں پہلے تراویح ادا کرے پھر وتر پڑھے۔''

عبارات کو نقل کر کے یوں تفہیم کراتے ہیں کہ:

''ان میں یہ کہاں ہے ''اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے'' اور نہ یہاں یہ کہ ''جماعت فرض سے کیا تعلق۔'' وہ صورت ان دونوں کتابوں میں زیر فروع اسی مسئلہ مذکور سے متصل ذکر فرمائی ہے کہ اور جب کہ فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں تو امام عین الائمہ کرابیسی سے منقول ہے کہ نہ امام کے ساتھ تراویح پڑھے نہ وتر، پھر اس صورت میں بھی کبیری میں بعد بیان اختلاف حکم ووجہ ہر حکم یہ تحریر فرمایا کہ:

لا شك أن تأخير الوتر أولى و إن فاتت الجماعة فيه، فإن الانفراد به أولى على قول الجمهور كما سيأتي إن شاء الله تعالىٰ

یعنی بے شک تاخیر وتر اولیٰ ہے، اگر چہ وتر کی جماعت جاتی رہے کہ وتر میں انفراد ہی برقول جمہور اولیٰ ہے۔ نیز صغیری میں بعد اختلاف فرمایا:

و لا شك أن تأخير الوتر أولى و كذلك الانفراد به۔

بے شک وتر کو مؤخر کرنا اولیٰ ہے اسی طرح انفراد بھی۔ کہاں یہ اور کہاں وہ کہ اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے، کیوں کہ جماعت وتر جماعت تراویح کے تابع ہے، اس سے لزوم جماعت وتر یا بہر حال بے کراہت اس کا جواز کیوں کر نکلا کہ اگر چہ فرضوں کی جماعت کھوئی ہو مگر وتر جماعت ہی سے پڑھے؟ تابع ہونے کا حاصل تو اتنا ہی ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہیں، تو رمضان میں ان کی تبعیت سے وتر بھی باجماعت پڑھ سکتے ہیں نہ یہ کہ وتر بہر حال جماعت ہی سے پڑھیں۔''

(فتاویٰ مفتی اعظم جلد۳،ص ۸۰)

اس سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ صغیری اس کی اصل کبیری میں وہ مسئلہ نہیں جو لوگ بتا رہے ہیں حالانکہ ان کتب میں تو اس صورت میں بھی اختلاف لکھا ہے کہ جب کسی کی تراویح فوت ہو گئی ہوں تو وہ وتر میں امام کی اقتدا کرے گا یا نہیں اور حکم ہر دو جانب ہے کہ بعض فقہاء جماعت وتر میں فضیلت جماعت کی خاطر شریک ہونے کا حکم کرتے ہیں اور بعض تراویح مکمل کرنے کو کہتے ہیں کہ وتر میں تاخیر اور انفراد افضل ہے۔ پھر امام عین الائمہ کرابیسی سے اسی صغیری میں منقول ہوا کہ جس شخص نے فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں تو وہ نہ امام کے ساتھ تراویح پڑھے نہ وتر۔ رہا جماعت وتر کا تابع تراویح کا ہونا تو اس کے معنی یہ نہیں کہ جماعت سے ہی پڑھی جائے بلکہ اس کا حاصل اس قدر ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہے۔ یہ نہیں کے بہر صورت وتر جماعت ہی سے پڑھیں۔

عبارت موہومہ کی تحقیق: لیکن اب بھی یہ سوال ہوسکتا ہے کہ لوگوں نے صغیری کا حوالہ کیسے ذکر کر دیا اور نہ یہ ایسی کتاب جسے عوام پڑھتے ہوں۔ضرور کسی عالم یا مفتی نے بیان کیا ہے تو نفس مسئلہ کی وضاحت کے بعد سرکار مفتی اعظم نے ''صغیری'' کی ایک موہوم عبارت ذکر فرمائی جس سے یہ ایہام ضرور ہوتا ہے کہ اگر چہ فرض باجماعت نہ پڑھے ہوں پھر بھی جماعت وتر میں شریک ہو جائے البتہ یہ نراوہم ہے جو تلخیص کی وجہ سے ہوا ہے چنانچہ رقمطراز ہیں:

''ہاں صغیری کی یہ عبارت:

"و إذا لم يصل الفرض مع الإمام، قيل لا يتبعه فى التراويح و لا فى الوتر، وكذا إذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه فى الوتر، والصحيح أنه يجوز أن يتبعه فى ذالك كله۔"

یعنی اگر اس نے امام کے ساتھ فرض نہیں پڑھے تو کہا گیا ہے کہ وہ تراویح اور وتر امام کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا، اسی طرح جب اس نے اس کے ساتھ تراویح نہ پڑھی تو وتر اس کے ساتھ نہ پڑھے اور صحیح یہ ہے کہ وہ ان سب میں امام کی اقتدا کرسکتا ہے۔

اس عبارت میں اس کا ایہام ضرور ہے کہ اگر چہ فرض بے جماعت پڑھے ہوں وتر میں شامل ہوسکتا ہے مگر یہ نراوہم ہے، اس کا کوئی قائل نہ ہوا، کتب فقہ دیکھ جایئے، دور کیوں جایئے! کبیری ہی دیکھ لیجئے! اختصار کے سبب یہ وہم پیدا ہوگیا، تصحیح دو قولوں سے ایک کی ہوتی ہے، یہاں کوئی دوسرا قول ہی نہیں: و من ادعى فعليه البيان۔ پھر اگر ہوتا بھی تو اصحاب تصحیح سے اس کی تصحیح اگر ہوتی، تو علامہ ابراہیم حلبی صاحب صغیری یہ فرما سکتے کہ "و الصحيح الخ" کہ خود یہ اصحاب تصحیح سے نہیں کہ خود کسی قول کی تصحیح کریں۔

(فتاویٰ مفتی اعظم جلد۳، ص۸۱)

سبحان اللہ! چند سطروں میں موہوم عبارت کی وضاحت کر دی کہ:

☆ **اولا:** فقہاء میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ اگر چہ فرض امام کے ساتھ نہیں پڑھے ہوں جب بھی جماعت وتر میں شریک ہو جائے۔ خود کبیری جس کی ملخص یہ صغیری ہے اس میں اس کا نشان نہیں۔

☆ **ثانیا:** تصحیح ہوتی تو دو قولوں میں ہوتی اور نفس مسئلہ میں دوسرا قول کہاں ہے؟ پھر تصحیح، اصحاب تصحیح کا وتیرہ ہے حالانکہ صاحب صغیری ان میں سے نہیں۔

بات یہ ہے کہ کبیری میں تصحیح مختلف اقوال پر نقل کی گئی کہ جس نے جماعت فرض نہیں پائی بر بنائے مذہب صحیح وہ جماعت تراویح میں شریک ہوسکتا ہے۔ ایسے ہی جس نے تراویح جماعت سے نہیں پڑھی صحیح یہ ہے کہ وہ جماعت وتر میں شریک ہوسکتا ہے۔ رہا نفس مسئلہ اس میں خلاف ہی نہیں تھا تو اسے اسی طرح نقل کیا مگر تلخیص میں اختصار کے سبب یہ وہم ہوتا ہے کہ فرض جماعت سے نہ پڑھنے کی صورت میں بھی وتر باجماعت ادا کئے جاسکتے ہیں۔ یہ صحیح کجا کسی کا قول نہیں۔

حضور مفتی اعظم ''کبیری'' سے ہر صورت کے متعلق عبارتیں تحریر کرنے کے بعد ان کا خلاصہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''کبیری میں اس کا کہیں نشان ہے کہ فرض بے جماعت پڑھے ہوں تو بھی وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے؟ حاشا! کہیں نہیں۔ اس کا کہیں پتہ ہی نہیں (تو) تصحیح کیسی؟ انہوں نے تو پہلے امام عین الائمہ سے تین حکم نقل فرمائے:

(۱) جس نے فرض بے جماعت پڑھے ہوں وہ تراویح میں امام کی

اتباع نہ کرے۔

(۲) یوں ہی وتر میں۔

(۳) جس نے تراویح میں اتباع امام نہ کیا ہو وہ وتر میں بھی نہ کرے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا۔اس میں اختلاف ذکر کیا۔ پھر امام ابواللیث سے امام ابو یوسف البانی کے اس قول کی تصحیح نقل فرمائی کہ تراویح ایک کے پیچھے پڑھیں تو دوسرے کے پیچھے وتر پڑھ سکتا ہے یوں ہی پہلے میں بھی اختلاف تھا اور قول آخر یعنی جواز جماعت تراویح بحال فوت جماعت فرض صحیح تھا، اسے لکھا اور اس کی امام ظہیر الدین مرغینانی سے تصحیح نقل فرمائی۔ دیکھیئے امام عین الائمہ کرابیسی کے جواب میں انہوں نے ان دونوں مسئلوں میں امام ابواللیث و امام ظہیر الدین مرغینانی سے تصحیح نقل فرمائی اور جہاں سادہ خلاف قول تھا وہاں سادہ نقل فرمایا۔ان کا وہ دوسرا مسئلہ کہ جس نے فرضوں کی جماعت کھوئی ہے وہ وتر جماعت سے نہ پڑھے، خلاف سے ہی پاک تھا۔اسی لیے اس کے خلاف کوئی سادہ قول بھی نقل نہ فرمایا، اگر اس کے خلاف کوئی قول ہوتا تو ضرور نقل فرماتے۔اب بحمدہ تعالیٰ روشن تر ہو گیا کہ صغیری کی عبارت سے جو وہم ہوتا ہے وہ نرا وہم ہے۔ ہرگز ان کی مراد یہ نہیں کہ فرض بے جماعت پڑھے ہوں جب بھی وتر جماعت سے پڑھے، یہی صحیح ہے، اس کا صحیح ہونا درکنار یہ کسی کا قول نہیں۔''

(فتاویٰ مفتی اعظم جلد۳، ص۸۲)

صغیری پر مفتی اعظم کا حاشیہ: اخیر میں حضور مفتی اعظم نے صغیری کی موہوم عبارت پر اپنے حاشیہ کو نقل فرمایا ہے اور مہینہ یا اس سے زیادہ وقت گزر جانے کے بعد صغیری پر سیدنا اعلیٰ حضرت کا حاشیہ اور ''فتاوی رضویہ'' کا فتویٰ مل جانے کا ذکر فرماتے ہیں اور شکر الٰہی بجا لاتے ہیں کہ:

''میں نے اسی طرح بحث کی جیسے میرے والد ماجد نے کی تھی۔''

ہم یہاں بخوف طوالت صرف حواشی کو نقل کرتے ہیں۔سیدی مفتی اعظم تحریر فرماتے ہیں:

"فالحمد لله و المنة على كشف الغمة وهو ولى النعمة و كتبت على تلك العبارة على هامش الصغيرى،قوله:فى ذالك يعنى اتباعه فى التراويح صحيح فيما إذا لم يصل الفرض جماعة وكذا إتباعه فى الوتر فيما إذا لم يصل التراويح بالجماعة، لا ان اتباعه فى الوتر يصح فيما إذا لم يصل الفرض مع الإمام،فافهم و تدبر و تثبت و تشهد، لما قلنا اقتصاره فى التصريح على لفظه التراويح،هذا كله كتبته بتوفيق الله تعالى تفقها،ثم بعد تحريره بشهر أو أزيد ظفرت بصغيرى مكتبة سيدنا الوالد الماجد رحمه الله تعالى فراجعتها، فوجدت بحمد الله تعالى ماحاشيته على تلك العبارة الموهومة،أجاب عنها بعينه مأ أجبت و بحث ما بحثت ولله الحمد، و هذا ما نصه:"قوله:و الصحيح أنه يجوز أن يتبعه فى ذلك كله" ليس هو رحمه الله تعالى من أصحاب التصحيح، و إنما هو ناقل، ويرشدك مطالعة شرحه الكبير الملخص منه هذا الصغير ان التصحيح للإمام الفقيه أبى الليث و للإمام ظهير الدين المرغينانى، و إنهما إنما يرجحان إلى تصحيح جواز الإتباع فى الوتر إن لم يتبع فى التراويح، و جواز الاتباع فى التراويح و إن لم يتبع فى الفرض، و لا أثر فيهما التصحيح جواز الإتباع فى الوتر و إن لم يتبع فى الفرض فراجعه صفحة ٤١٠۔ فالواقع ههنا نشأ من اقتصار فحل فليتنبه، ليس الفرق بينهما إلا فرق اللسان، كأنه هو فانظر إلى هذا التوارد، و من أنا، وأيش أنا،ما هذا إلا بفضل الله فيض خدمته رضى الله عنه و أرضاه عنا، ثم بعد ما مضى على هذا برهة من الزمان ظفرت بكرم الله تعالىٰ بباب الوتر و النوافل من فتاواه

المنسقة المبارکة قدس الله تعالی سره و أفاض علینا بره۔"
یعنی پس خدا کا شکر ہے اور اس کا احسان ہے مشکل آسان فرمانے پر اور وہی نعمت عطا فرمانے والا ہے، میں نے صغیری کے حاشیہ میں اس موہوم عبارت پر لکھا ہے ان کا قول اس بارے میں، یعنی اس کی اقتدا تراویح میں درست ہے اس صورت میں جب کہ اس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں، یوں ہی وتر کی جماعت میں بھی اقتدا درست ہے اس صورت میں جب اس نے تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہو، (عبارت کا) یہ مطلب نہیں کہ اس کی اقتدا اس صورت میں بھی درست ہے جب اس نے فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں، اس کو سمجھ لو، غور کرو اور ذہن نشین کر لو، جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ انہوں نے لفظ ''تراویح'' کی تصریح فرما کر اسی پر اکتفا کر لیا ہے، میں نے یہ سب اللہ عزوجل کی توفیق سے اپنی فقہی بصیرت کی روشنی میں لکھا، پھر اس کے لکھنے کے بعد ایک ماہ یا اس سے کچھ زائد کا عرصہ گزرا ہی تھا کہ مجھے اپنے والد گرامی کی لائبریری میں ''صغیری'' مل گئی تو میں نے اس کی طرف رجوع کیا، الحمد للہ میں نے دیکھا کہ اس موہوم عبارت کے حاشیہ پر انہوں نے وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا اور اسی طرح بحث کی جیسی میں نے کی تھی، والحمد لله علی ذالك۔

ان کی عبارت یہ ہے:

''صاحب صغیری کا قول یہ ہے کہ ''صحیح بات یہ ہے کہ وہ ان تمام صورتوں میں اقتدا کر سکتا ہے'' لیکن علامہ ابراہیم حلبی ''صغیری'' کے مصنف اصحاب تصحیح سے نہیں بلکہ وہ تو محض ناقل ہیں اور ''شرح کبیر'' کا مطالعہ جس سے یہ صغیر ملخص، تمہاری اس طرف رہنمائی کرے گی کہ تصحیح امام فقیہ ابواللیث اور امام ظہیر الدین مرغینانی کی ہے کہ وہ دونوں بزرگ تراویح میں عدم اقتدا کی صورت میں وتر میں اقتدا کے جواز کی تصحیح کو ترجیح دیتے ہیں اور فرض میں عدم اقتدا کی صورت میں وتر میں جواز اقتدا کی تصحیح کا کوئی اثر نہیں، اس طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔'' واقعہ یہ ہے کہ یہ صورت اختصار کی وجہ سے پیدا ہوئی لہٰذا متنبہ ہو جاؤ۔'' اور میں کیا ہوں میری حیثیت ہی کیا ہے، یہ تو سب ان کی خدمت کا فیض ہے، اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو ہم سے راضی فرمائے۔ پھر اس پر تھوڑے دن گزرنے کے بعد آپ کے مبارک فتاوی میں ایک فتویٰ باب الوتر والنوافل میں مل گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم پر ان کے فیض کی بارش فرمائے۔'' (فتاویٰ مفتی اعظم جلد ۳، ص ۸۴)

خلاصۂ مباحث: عبارت موہومہ کا یہ مسئلہ درست ہے کہ اگر کسی نے فرض باجماعت نہ پڑھے تو وہ تراویح باجماعت پڑھ سکتا ہے، یوں ہی جو جماعت تراویح میں شامل نہیں ہوا وہ جماعت وتر میں شریک ہو سکتا ہے۔ اسی کو امام مرغینانی اور امام فقیہ ابواللیث نے راجح قرار دیا ہے۔

☆ رہا یہ کہ جو جماعت فرض میں شریک نہیں ہوا وہ جماعت وتر میں شامل ہو جائے، یہ درست نہیں۔ خود صاحب صغیری نے لفظ ''تراویح'' کی صراحت فرما کر اسی پر اکتفا فرما لیا یعنی تصحیح انہیں دو صورتوں سے متعلق ہے کہ جس نے امام کے ساتھ فرض نہیں پڑھے وہ تراویح پڑھ سکتا ہے ایسے ہی جس نے تراویح باجماعت نہ پڑھی یا کچھ پڑھی یا پھر کسی اور امام کی اقتداء میں پڑھیں تو وہ جماعت وتر میں شریک ہو سکتا ہے، اسی پر کبیری میں تصحیح ہے، مگر یہاں عبارت کے اختصار کی وجہ سے یہ وہم ہو گیا کہ جس نے فرض باجماعت نہ پڑھے وہ بھی جماعت وتر میں شریک ہو جائے، یہ درست نہیں بلکہ نرا وہم ہے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی۔علم وعمل کا حسین سنگم

از۔مولانا محمد شہاب الدین رضوی، قومی صدر آل انڈیا مسلم جماعت، بریلی شریف

محبّ رسول، مجاہد جنگ آزادی، بطل حریت، مرجع انام، حمیت دین اور عزت اسلامی کے پیکر امام علم وحکمت حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ زمانہ میں بندوں کے درمیان فضل حق اور فضل رسول اللہ تھے۔

ولادت باسعادت: علامہ فضل حق بن علامہ فضل امام خیرآبادی قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء میں اودھ کے دارالسلطنت لکھنؤ سے ۱۱۰ر کلومیٹر کے فاصلے پر آباد ایک مردم خیز قصبہ ''خیرآباد'' ضلع سیتاپور یوپی میں ہوئی۔

(پاکان امت از مولانا محمود احمد قادری، ج ۲، ص ۲۸۱، مطبوعہ خانقاہ رفاقتیہ مظفر پور ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء-تذکرہ علماء ہند از مولانا رحمان علی، ص ۳۲۰، مطبوعہ ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۲۰۰۳ء، ترجمہ از ڈاکٹر محمد ایوب قادری)

خاندانی جاہ وحشمت: قاضی عماد الدین بدایونی، علامہ فضل امام خیرآبادی کے اجداد میں سے ہیں جو بدایوں سے منتقل ہوکر ''ہرگام'' (موجودہ ضلع سیتاپور کی ایک آبادی) میں آبسے تھے۔علامہ فضل امام صاحب کے والد قاضی محمد ارشد ہرگامی اپنے دور میں ''ہرگام'' سے منتقل ہوکر خیرآباد آکر آباد ہوگئے۔اس خانوادہ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے ملتا ہے۔ قاضی عماد الدین صاحب علم وفضل کے مالک تھے، انہوں نے ۱۶۶۴ء میں ''گلدستہ'' نام سے کتاب بھی تصنیف کی تھی۔

(قاموس المشاہیر از نظامی بدایونی، ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۶ء)

شیر الملک بن عطاء الملک فاروقی ایرانی کے ایک صاحبزادے مولانا شمس الدین مفتیِ روہتک (صوبہ ہریانہ) کی اولاد میں حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دوسرے صاحبزادے مولانا بہاؤالدین مفتی بدایوں (روہیل کھنڈ، موجودہ صوبہ یوپی) کی اولاد میں علامہ فضل امام خیرآبادی ہیں جو دہلی کے ''صدر صدور'' تھے۔اس طرح خانوادۂ خیرآبادی اور خانوادۂ ولی اللہی کا سلسلہ نسب شیر الملک بن عطاء الملک فاروقی پر جاکر ایک ہوجاتا ہے۔علامہ فضل امام خیرآبادی کا شمار اپنے زمانے کے ممتاز علماء وفضلائے ہند میں ہوتا تھا۔آپ متعدد علمی وفنی کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ''میر زاہد رسالہ''، ''ملا جلال'' اور ''افق المبین'' جیسی کئی کتابوں کے محشی بھی ہیں۔جن کے مخطوطات مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ورضا لائبریری رام پور (یوپی) وغیرہ میں موجود ومحفوظ ہیں۔موجودہ دور کے مدارس اسلامیہ میں پڑھائی جانے والی علم منطق کی کتاب ''مرقات'' کو بھی آپ ہی کی تصنیف بتایا جاتا ہے۔آپ کے سینکڑوں شاگردوں میں علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی صدرالدین آزوردہ دہلوی صدر الصدور دہلی مشہور ومعروف ہیں۔

مولانا عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی، سابق اسسٹنٹ لائبریرین شعبۂ مخطوطات مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (متوفی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء) علامہ فضل امام خیرآبادی کے متعلق

رقم طراز ہیں:

''علمی قابلیت کا اندازہ تو اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک جانب شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر (بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کا ڈنکا منقولات میں بج رہا تھا، اور دوسری طرف اسی دہلی میں مولانا فضلِ امام کے معقولات کا سکہ چل رہا تھا۔ طلبہ دونوں دریاؤں سے سیراب ہو رہے تھے۔ مفتی صدرالدین خاں آزوردہ، علامہ فضل حق وغیرہما بھی دوسرے طلبہ کی طرح حدیث ایک جگہ پڑھتے تھے اور منطق وفلسفہ دوسری جگہ۔''

(سوانح علامہ فضلِ حق اور باغی ہندوستان، ص ۱۳۸ طبع چہارم المجمع الاسلامی مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔ وطبع اول مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء مع مقدمہ ابوالکلام آزاد)

حضرت علامہ مولانا فضل امام بن شیخ محمد ارشد ہرگامی کا وطن خیرآباد تھا۔ فراغ علم کے بعد دہلی پہنچے، انگریزی حکومت کی طرف سے پہلے دہلی کے ''مفتی'' پھر ''صدرالصدور'' مقرر ہوئے۔ عارف باللہ حضرت شاہ صلاح الدین صفوی قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ فرائض ملازمت کے ساتھ مشغلہ تدریس وتصنیف ہمیشہ جاری رکھا، اپنے تلامذہ پر نہایت شفقت فرماتے تھے، شاہ غوث علی پانی پتی نے بڑی محبت سے اپنے استاذ مولانا فضل امام کا ذکر کیا ہے۔ سرسید احمد خاں نے لکھا ہے:

''علوم عقلیہ اور فنون حکمیہ کو ان کی طبع وقاد سے اعتبار تھا، اور علوم ادبیہ کو ان کی زبان دانی سے افتخار، اگر ان کا ذہن رسا، دلائل قطعیہ بیان نہ کرتا، فلسفہ کو معقول نہ کہتے اور اگر ان کا فکر صائب، براہین ساطعہ قائم نہ کرتا، اشکال ہندسی تار عنکبوت سے سست تر نظر میں آتے، اس نواح میں ترویج علم وحکمت ومعقول کی اسی خاندان سے ہوئی۔ گویا اس دورۂ والا تبار سے اس علم میں یک جہتی بہم پہنچائی ہے۔''

(آثارالصنادید از سرسید احمد خاں، باب چہارم، ص ۶۲)

آپ کے تلامذہ میں سب سے مشہور مولانا فضل حق اور مفتی صدرالدین آزوردہ ہوئے۔ کچھ دنوں پٹیالہ میں بھی رہے۔ ۵/ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء میں خیرآباد میں انتقال ہوا اور احاطہ درگاہ شیخ سعدالدین خیرآباد میں دفن ہوئے۔ مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ انتقال کہا ہے:

اے دریغا قبلہ ارباب فضل
کرد سوئے جنت الماویٰ خرام
چوں ارادت از پئے کشف شرف
جست سال فوت آں عالی مقام
چہرۂ ہستی خراشیدم نخست
تا بناء تخرجہ گردد تمام
گفتم اندر ''سایہ لطف نبی''
آرامش گہ ''فضل امام''

(۲۵۷ + ۹۹۲-۵ = ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء)

مؤلف ''تذکرہ علمائے ہند'' نے ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء اور مولانا عبدالشاہد خان شیروانی نے ''باغی ہندوستان'' میں ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء تاریخ انتقال لکھی ہے جو صحیح نہیں ہے۔

(حوالہ کے لیے دیکھئے آثارالصنادید، باب چہارم، ص ۶۲- باغی ہندوستان، ص ۱۶، ۲۵- مختصر سیر ہندوستان، ص ۶۰- واقعات دارالحکومت دہلی، حصہ دوم، ص ۴۱۴، ۴۱۵- تراجم الفضلا، کلیات غالب (نثر

فارسی)، ص ۴۲، ۴۳- علم وعمل جلد اول ص ۲۵۷- مفتاح التواریخ، ص ۳۸۷- سیر العلماء، ص ۲۱، ۲۲ وغیرہ جیسی تاریخی کتب میں تاریخ انتقال ۱۸۲۹ء/ ۱۲۴۴ھ ہی ہے)

غالبؔ دہلوی کا جو قطعہ تاریخ ہے اس کا مصرع ثانی محل نظر ہے۔ ہم نے ''کلیات نثر غالب'' کا حوالہ دیکھا ہے لیکن اس میں ہمیں یہ قطعہ مذکورہ حوالہ کے مطابق نہیں ملا ہے کہ گمان غالب ہے کہ یہ مصرع اس طرح ہوگا ''ہست آرامش کہ فضل امام'' (واللہ تعالیٰ اعلم)

تعلیم و تربیت: حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی قدس سرہٗ نے ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت علامہ فضل امام خیرآبادی قدس سرہٗ سے حاصل کی، آپ نہایت ہی ذکی تھے اور قوت حافظہ اتنا قوی تھا کہ چار ماہ چند روز میں قرآن شریف کے حفظ کرنے کی نعمت حاصل کر لی۔ ساتھ ہی صرف ۱۳ر سال کی عمر میں ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۰۹ء میں تمام علوم وفنون عقلیہ اور نقلیہ وآلیہ کی تعلیم مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ شیخ المحدثین شاہ عبدالقادر محدث دہلوی بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور استاذ المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے حدیث شریف پڑھی۔

(تذکرہ علماء ہند از مولانا رحمان علی، ص ۳۲۰)

سلوک و تصوف کی تربیت: علامہ فضل حق خیرآبادی نے فراغت علم کے بعد کہاں کہاں درس وتدریس دیا، اس کا ذکر تاریخ و تذکرہ میں تاریخی حوالہ جات سے بہت کم ملتا ہے، اس لیے زمانہ کا تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن دہلی کے بعد ''جھجھر'' اور ''الور'' پہنچے، دو برس ''سہارنپور'' میں قیام رہا، حضرت علامہ کے پیر ومرشد کا عرفی نام ''شاہ دھومن'' ہے، وہ اصلاً سہارن پور ہی کے رہنے والے تھے، پھر ''دہلوی'' بھی کہے جانے لگے تھے، مولانا سید محمد عبداللہ بلگرامی نے ''ہدیۂ سعیدیہ'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:

''شاہ دھومن'' چشتی کے دربار میں دہلی میں حاضری دی اور مرید ہو گئے، شاہ دھومن چشتی جمالی تھے، اس کے بعد معرفت کی بزم میں حاضری کا سعید جذبہ بڑھتا ہی رہا، سلوک کے معارف وحقائق کے اصول کے لیے انہوں نے اپنے ہم وطن بزرگ شیخ الاسلام حضرت حافظ شاہ سید محمد علی فخری سلیمانی قدس سرہٗ (وصال ۱۲۶۶ھ) کی خدمت میں حاضری دی اور ''فصوص الحکم'' پڑھنا چاہا، لیکن حضرت حافظ صاحب نے انکار کیا اور وجہ بتائی کہ ''میاں تم خود علامۂ اجل ہو، تم سے زیادہ میں کیا اس کو سمجھا ہوں'' مگر علامہ پر یہ سرّ افشاء تھا کہ ''معانی تو میں ضرور سمجھ چکا ہوں مگر اس کے جو مقاصد اور حقائق ہیں، وہ تو آپ کے پاس ہیں''، اس کے بعد حضرت حافظ صاحب قبلہ نے حقائق ومعارف کے دریا بہا کر علامہ کو اس راہ کا خاص عارف بنا دیا اور ان پر اسرارِ حق فاش ہونے لگے۔ حضرت علامہ نے انہیں حقائق کے بیان میں کتاب لکھی اور اس کا نام ''الروض الموجود فی تحقیق وحدۃ الوجود'' رکھا۔ حضرت علامہ کے فرزند جلیل علامہ عبدالحق قدس سرہٗ کے تلمیذ حضرت مولانا نادرالدین ملتانی علیہ الرحمہ سلطنت آصفیہ کے دارالسلطنت حیدرآباد جا کر جامعہ نظامیہ کے صدرالمدرسینی کی مسندِ علمی پر رونق افروز ہوئے، وہ صاحبِ حال بزرگ تھے، ان کے پاس اس کی نقل تھی، ان سے لے کر ان کے ایک شاگرد نے ۱۳۱۳ھ میں چھپوا دی۔ مولانا نادرالدین چشتی، مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم سبق نہ تھے بلکہ متقدم تھے اور ہم استاذ اور ہم مدرسہ تھے، مولانا ملتانی نے ان کو ایک نسخہ

بھجوایا، انہوں نے پڑھا تو کہا کہ جس چیز کو صوفیائے وجودیہ نے ریاضت ومکاشفات سے حاصل کیا ہے، مولانا نے اُسے معقول اور براہین سے پالیا ہے۔''

(پاکان امت از مولانا محمود احمد قادری، ج ۲، ص ۲۸۲)

علم وفضل کے بحر العلوم: آپ کے علم وفضل کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بانی سرسید احمد خاں (متوفی ۱۸۹۸ء) نے لکھا ہے:

''جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق وحکمت کی تو گویا انہیں کی فکرِ عالی نے بنا ڈالی ہے۔ علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہِ اہل کمال کے حضور میں بساطِ مناظرہ آراستہ کرسکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ (اپنے) آپ کو یگانۂ فن سمجھتے تھے، جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا، دعوائے کمال کو فراموش کر کے نسبتِ شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔''

(آثار الصنادید از سرسید احمد خاں، ص ۵۶۲ مطبوعہ اردو اکادمی دہلی ۲۰۰۰ء- مقالاتِ سرسید حصہ شانزدہم، ص ۱۴۸ مطبوعہ مجلس ترقیِ ادب لاہور)

علامہ فضل حق خیر آبادی کے علم وفضل، جامعیت وکمال، جودت ذہن، قوت فکر، وسعت مطالعہ اور دینی وملّی وقومی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع وہمہ جہت وہمہ گیر ہے، جس کے مطالعہ وتحقیق اور تعارف کی ضرورت ہے۔ علماء ومحققین اور مصنفین کو اس اہم خدمت کی طرف اپنی توجہ مبذول کر کے علامہ فضل حق خیر آبادی کی فکری وقلمی کاوشوں کو منظر عام پر لانے اور آپ کی جامع الصفات شخصیت کے متنوع گوشوں کو اجاگر کرنے کی جلد از جلد بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

چودھویں صدی ہجری کے مشائخ اور علمائے مارہرہ مطہرہ وبدایوں وبریلی ومبارک پور وغیرہ کا سلسلۂ تلمذ خیر آبادی ہے جو سلسلۂ خیر آباد درس گاہ شاہ ولی اللّٰہی وعزیزی دہلی اور دانش گاہِ فرنگی محل لکھنؤ کا مجمع البحرین ہے۔

شہر بریلی شریف، روہیل کھنڈ میں حضرت علامہ کے تلمیذ قدیم مولانا مفتی سلطان حسن عثمانی (وصال ۱۲۹۸ھ) متوطن تھے، ان کی التجاء ودعوت پر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی ایک مرتبہ بریلی شریف تشریف لائے تھے۔ مسئلہ وحدۃ الوجود کو سمجھنے کے شائق اہل علم کی ایک محفل آراستہ تھی جس میں ایک صاحب نے محفل کی مناسبت سے مسئلہ وحدۃ الوجود کا ذکر چھیڑ دیا، حضرت علامہ نے روئے سخن اس مسئلہ کی طرف موڑا، حضرت علامہ کی اس مسئلہ میں تحقیق تھی کہ یہ صوفیہ صافیہ کرام کا متفقہ مسئلہ ہے، صرف حضرت علاء الدولہ سمنانی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ علامہ نے اپنے معروف رسالہ ''امتناع النظیر'' (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس بحث پر بیان لکھا ہے۔ حضرت علامہ نے مسئلہ وحدۃ الوجود پر جب جامع ومدلل اور پُر براہین تقریر شروع کی، تو اس محفل خاص میں کہ جس میں مدقق علماء اور محقق عرفاء موجود تھے، سب پر محویت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت علامہ جانتے تھے کہ یہ مسئلہ کشفی وحالی ہے اور کشف وحال کے دقائق کب بیان میں آتے ہیں، اس لیے پہلے ہی فرمادیا کہ: جہاں تک دلائل وبراہین کا تعلق ہے وہ بیان کردیتا ہوں، تسلیم کرنا نہ کرنا حاضرین کا کام ہے۔

امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری لاہوری (خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ) نے اپنی

موقر کتاب ''مقدمہ میزان الادیان'' میں اعجازِ قرآنی کے بیان میں حضرت مولانا حکیم محمد حسن امروہوی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ:

''عربی زبان وادب وانشاء پر غیر معمولی قدرت کی وجہ سے علامہ کے دل میں بیٹھے بٹھائے وسوسہ پیدا ہوا کہ میں بھی قرآن مجید کی ایک آیت کے مطابق کوئی آیت لکھوں، علامہ فرماتے تھے: ایک ہفتہ خبط میں مبتلا رہا، پھر توبہ کی، گریہ وزاری کی۔''

(پاکان امت از مولانا محمود احمد قادری، ج ۲، ص ۲۸۲)

تصانیف وحواشی پر ایک نظر: علامہ فضل حق خیر آبادی قدس سرہٗ کی تقریباً ایک درجن وقیع وبلند پایہ کتابیں متعدد علوم وفنون میں آپ کی مہارت وکمال پر شاہدِ عدل ہیں، جن میں سے اکثر غیر مطبوعہ اور مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں، آپ کی بعض کتابیں مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہیں جو آج بھی پڑھائی جاتی ہیں۔ مطبوعہ کتب علامہ خیر آبادی میں:

(۱) ہدیہ سعیدیہ (۲) تحقیق الفتوی (۳) امتناع النظیر (۴) الروض الموجود (۵) حاشیۂ قاضی مبارک (۶) شرح سُلّم (۷) وقصائد فتنۃ الہند (منظوم) (۸) الثورۃ الہندیہ (منثور) حلقۂ اہلِ علم میں متعارف ومتداول ہیں۔ آخر الذکر ترجمہ کے ساتھ ''باغی ہندوستان'' کے نام سے طبع ہو چکی ہے اور کافی مشہور ومقبول ہے۔

(۱۸۵۷ء پس منظر وپیش منظر از مولانا یٰسین اختر مصباحی، ص ۲۱۴ مطبوعہ دار القلم دہلی ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

''الثورۃ الہندیہ'' کے متعلق ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صدیقی نے تحریر کیا ہے:

''انہوں نے یہ مشہور کتاب کاغذ کے ٹکڑوں پر کوئلے سے لکھی تھی اور خفیہ طریقے سے اپنے لڑکے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے پاس بھیجی تھی، اس کتاب میں غدر کے سارے حالات درج ہیں۔ مولانا عبدالحق نے تمام کاغذی ٹکڑوں کے مسودے تیار کئے، جو کہیں کہیں قدیم کتب خانوں میں دیکھنے کو ملجاتے ہیں۔''

(شہیدان جنگ آزادی، ص ۲۰۳، مطبوعہ چھتیس گڑھ اردو اکیڈمی رائے پور ۲۰۱۵ء)

شعر وشاعری اور عشق رسالت: حضرت علامہ قدس سرہٗ کی عربی دانی اور عربی شاعری کا غلغلہ ہمیشہ بلند رہا ہے اور بحیثیت عربی شاعر علامہ کی بلند مقامی پر کچھ نہ کچھ لکھا جاتا رہتا ہے، لیکن کیا حضرت علامہ کی شاعری برائے شعر گفتن کی حد تک ہے؟ حضرت علامہ کے درون سینے میں اگر جھانکنے کی توفیق خیر مرحمت ہو تو اس کا عرفان مشکل نہیں ہے کہ ان کی عربی شاعری وصف شاہ ہدیٰ اور مدح گستری حبیب خدا میں ہے۔ اسی میں غرق ہو کر علامہ نے بعالم حضوری مدح گستری بھی کی اور اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضوری اور وصل وقرب کی التجائیں لگائیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ ''نہیں سنتا ہی نہیں، مانگنے والا تیرا'' کے در کریم سے حضرت علامہ خالی اور بے مرام رہے۔''

ایک بار آپ کے ایک محبّ جو کہ عازم حج وزیارت شریف تھے، بغرض رخصت حاضر ہوئے، آپ ان کی مشایعت کے لیے پیادہ پا ہوئے اور فرمایا کہ حاضری اقدس پر اس مہجور غلام کے چند ابیات عرض کر دینا اور اسی حال میں راستہ چلتے آپ نے برجستہ وہ اشعار لکھوا دیئے کہ جن کی تعداد دو قصیدوں کی صورت میں پچاس شعر کے قریب ہوگئی۔ جس وقت ان زائر صاحب نے ان کو مواجہ اشرف

میں پڑھنا شروع کیا، تو وہ علماء جو مشغول تدریس تھے انہوں نے اپنے اپنے درس بند کر دیئے اور حرم محترم میں ہر جانب سے خلقت ان کے گرد جمع ہوگئی اور حاضرین پر عجیب عالم طاری رہا۔

(پاکان امت، ج ۲ ص ۲۸۴)

زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت: حضرت علامہ کا زہد و تقوی بے مثال تھا۔ نماز تہجد کی مواظبت اور ہفتہ میں ایک ختم قرآن مجید معمولات میں تھے، جہاں بھی رہے، مسجد شریف میں نماز جماعت کے پابند رہے، رام پور کے زمانۂ قیام میں جس محلّہ میں حضرت علامہ کا قیام تھا، وہاں ایک عالی مقام بزرگ حضرت شاہ احمد علی مجددی قدس سرہ کا بھی مکان تھا، ایک دن آپ نے اُن کے مرید شاہ نظام رام پوری (متوفی ۱۲۸۹ھ) سے پوچھا کہ آپ کے مرشد کے بارے میں سنا ہے کہ بڑے صاحب حال ہیں، لیکن وہ مسجد میں نہیں آتے اور جماعت کی نماز ترک کر دی ہے مسجد شریف جا کر التزامِ شرکتِ جماعتِ نماز کی توفیق خاصان خاص ہی نفوس کو عطاء ہوتی ہے؟ (شاہ احمد علی مجددی میں ایسے اعذار بھی تھے جو مانع حاضری مسجد تھے جس کی وجہ سے وہ مسجد میں نہ آتے تھے مگر علامہ کا یہ تقویٰ تھا کہ آپ کو یہ چیز نہایت گراں گزری اور ان کے مرید سے یہ باتیں کہہ ڈالیں)

(پاکان امت، ج ۲ ص ۲۸۲)

سیاسی اثر و رسوخ اور تلامذہ: علامہ نے دہلی، خیر آباد، جھجر، الور اور رام پور جیسے شہروں میں درس و تدریس کا بھی سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا عبد الحق خیر آبادی (استاذ حکیم سید برکات احمد ٹونکی)، مولانا ہدایت اللہ رام پوری ثم جون پوری (استاذ صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی، و مولانا سید سلیمان اشرف بہاری ثم علی گڑھی)، تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی فرزند علامہ فضل رسول بدایونی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، مولانا ہدایت علی بریلوی، مولانا محمد عبد اللہ بلگرامی، مولانا عبد العلی رام پوری (امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے استاذِ علمِ ریاضی)، مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی (استاذِ خواجہ الطاف حسین حالؔی)، مولانا خیر الدین کلکتوی (مولانا ابوالکلام آزادؔ کے والد)، نواب یوسف علی خاں رام پوری، نواب کلب علی خاں رام پوری (والی ریاست رام پور) اور مولانا مفتی سلطان حسن عثمانی بریلوی کے نام نمایاں ہیں۔

رئیس احمد جعفری ندوی نے ''گلِ رعنا'' مؤلفہ حکیم عبد الحی رائے بریلوی کے حوالہ سے لکھا ہے:

''اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔ دہلی میں ریزیڈنٹ رہا کرتے تھا۔ (مولانا فضل حق خیر آبادی) اس کے محکمہ کے سررشتہ دار ہوگئے۔ ابوظفر ولی عہد سے دوستانہ مراسم تھے۔ قلعہ میں آتے جاتے تھے۔ دلی وہ دلی تھی کہ ایک طرف حدیث و فقہ کا دور دورہ تھا، دوسری طرف منطق و فلسفہ کی گرم بازاری۔ شعر و سخن کے گلی کوچہ میں چرچے، بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر موجود۔ ان (فضل حق خیر آبادی) کے ہم سبق مفتی صدر الدین آزوردہؔ کے دوستوں میں مولوی امام بخش صہبائیؔ، علامہ عبد اللہ خاں علویؔ، حکیم مومن خان مومنؔ، مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ، نواب ضیاء الدین خان نیرؔ، شاہ نصیر الدین نصیرؔ، شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ، حکیم آغا جان عیشؔ، حافظ عبد الرحمٰن احسانؔ، میر حسن تسکینؔ جیسے باکمال لوگ تھے۔ شام کو مولانا (فضل حق) کے یہاں نشست رہا کرتی۔''

(بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری ندوی، ص ۸۵۹، طبعِ

اول، کتاب منزل لاہور دسمبر ۱۹۵۵ء- تذکرہ علماء ہنداز مولانا رحمان علی، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۳ء-گلِ رعنا از حکیم عبدالحی رائے بریلوی، ص ۳۱۲)

بہترین وصیت: حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی قدس سرہٗ نے اپنی تصنیف ''الروض الموجود شریف'' کے آخر میں وصیت فرمائی ہے اور اس وصیت میں اپنی عاجزی اور انکساری کا کس طرح ذکر کیا ہے، وہ موجودہ دور کے علماء کیلئے لائق تقلید ہے، لکھتے ہیں کہ:

''بہترین وصیت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ظاہر و باطن میں ڈرتا رہے، اگر چہ میں ان لوگوں میں سے ہوں، جو اپنے آپ کو بھول کر دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے، کس قدر افسوس ہے کہ میں نے اپنی عمر خواہشات میں برباد کی، اور اپنی زندگی بداعمالی میں تباہ کی، اپنی عزت وتوقیر، واہیات باتوں میں گراتا رہا اور اپنی پونجی کی بڑی مقدار لٹاتا رہا، حیات کے خوش گوار دن اترانے میں اور بہترین ایام لہوولعب میں گزارتا رہا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں معاف کرے اور اپنی رحمتِ کاملہ سے ان لغزشوں سے درگزر کرے، ہم سب کو اعمال نیک کی توفیق دے اور اپنے مقبول بندوں، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین جن پر اس نے انعام کیا، میں بنائے اور یہی اچھے ساتھی ہیں۔''

عربی کے قادر الکلام شاعر: حضرت علامہ قدس سرہٗ عربی و فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے، آپ کے علمی و شاعری تبحر کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مشہور مصنف اور ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

''علامہ فضل حق خیرآبادی علم وفضل میں یگانۂ روزگار تھے، علوم عقلیہ کے مسلم الثبوت استاد تھے بلکہ مجتہد وامام تھے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی معقولات کے استاد تھے ہی مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ عربی کے بے مثال ناظم و ناثر بھی تھے۔ بیک وقت شعر کی نزاکتوں اور فلسفے کی باریکیوں اور گہرائیوں سے آگاہ تھے۔ شاعری میں عربی، فارسی اور اردو ادب پر گہری نظر تھی۔ معقولات وادبیات ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن یہ دونوں علوم حیرت انگیز طور پر علامہ فضل حق خیرآبادی میں جمع ہو گئے تھے۔ ادب میں وہ کمال حاصل تھا جس کو آج تک ماہرین فن تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ عبارت ایسی لکھتے جس کی مثال علمائے ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء)، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہٗ (م ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے بعد نظر نہیں آتی ہے۔ اصحابِ علم وفضل اور ارباب شعروادب دور دور سے اپنی تصنیفات اور منظومات اصلاح کے لیے ان کی خدمات میں ارسال کرتے تھے، اور نامور علما اپنی تصانیف پر تقاریظ لکھواتے تھے۔ علامہ نے فخریہ طور پر اپنی شعری نگارشات کا ذکر ایک جگہ یوں فرمایا ہے:

و نبدا مما اصابنی فی قصیدتین إحداهما همزیة تحکی همزات الشیاطین و الأخری دالیة دالة علی ما یعانی هذ الحزین الزمین .....و کنت قد نظمت قبل و قصیدة فی قوافی النون فریدة کالدر المکنون .....عدد ابیاتها ثلاثمائة او یزید و لم یتیسر لی إتمامها۔

''دو قصیدے لکھے، ایک ہمزیہ، دوسرا دالیہ، ایک اور نون کے قافیے میں لکھا تھا جو دُرِّ یتیم کی طرح یگانہ ہے، اس کے تین سو سے زیادہ

اشعار ہو گئے، تکمیل کی نوبت نہ آئی۔''

علامہ فضل حق خیر آبادی نے ایامِ اسارت میں یہ قصائد قلم بند کیے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعر گوئی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ان کی شاعری کا موضوع رسول کریم ﷺ کی مدح سرائی ہے، وہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قصائد کی پیروی میں اپنے نعتیہ قصائد کا آغاز غزل سے کرتے ہیں۔انہوں نے اس وقت عربی میں نعت لکھی جب عربی اور فارسی کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کی جارہی تھی اور انگریزوں کے غلبے کی وجہ سے انگریزی زبان وادب کے گن گائے جانے لگے تھے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس طرح بڑھائی جارہی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان معاذ اللہ گھٹی نظر آئے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے قصیدہ دالیہ میں ایک جگہ ''ملکہ وکٹوریہ'' کی طرف سے نصرانیت کی تبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

همت بتنصير هم قبلا و هم شيع من مسلمين و من عباد ابداد۔ ''اس (ملکہ) نے پہلے تو مسلمانوں اور بت پرستوں کی جماعتوں کو نصرانی بنانے کا قصد کیا۔''

مولانا رحمٰن علی خاں ممبر کونسل ریاست ریوان نے لکھا ہے کہ:

علامہ فضل حق خیر آبادی کا کلام چار ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔

(تذکرہ علماء ہند از مولانا رحمٰن علی، ترجمہ وتحشیہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۲۰۰۳ء- ماہنامہ پیغام شافعی کوکن، بابت رجب المرجب ۱۴۳۲ھ/جولائی ۲۰۱۱ء، مضمون از ڈاکٹر مسعود احمد مظہری)۔

شہزادۂ مظہر اعلیٰ حضرت مفتی معصوم الرضا بھی چل بسے

مؤرخہ ۱۰/رجب المرجب ۱۴۴۵ھ/۲۲/جنوری ۲۰۲۴ء بروز پیر مظہر اعلیٰ حضرت، شیر بیشۂ اہل سنت، حضرت علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ کے شہزادے، خلیفۂ مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد معصوم الرضا خاں حشمتی پیلی بھیتی کا وصال ہو گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۰/رمضان ۱۳۷۰ھ/ ۱۶/جون ۱۹۵۱ء بروز ہفتہ آپ کی پیدائش ہوئی۔۲۰/صفر ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء کو والد ماجد نے رسم تسمیہ خوانی ادا کرائی۔۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء میں والد بزرگوار کی وفات کے بعد برادر اکبر حضرت علامہ مشاہد رضا خاں حشمتی علیہ الرحمہ نے آپ کو تحصیل علم کے لیے کانپور بھیج دیا۔پیلی بھیت شریف میں جب ''حشمت الرضا'' ادارے کا قیام عمل میں آ گیا تب آپ یہیں رہ کر تعلیم حاصل کرتے رہے۔۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں ''جامعہ اشرفیہ'' مبارکپور چلے گئے۔مگر ۲/سال بعد ہی وہاں سے واپس آ کر یادگار اعلیٰ حضرت ''جامعہ رضویہ منظر اسلام'' بریلی شریف میں داخلہ لے لیا۔یہیں سے آپ نے سند فراغت حاصل کی۔۱۴۰۱ھ/۱۹۸۰ء میں مدرسہ ''فخر العلوم'' بلرامپور تدریس کے لیے تشریف لے گئے۔کچھ ماہ کے بعد ادارہ ''انوار الرضا'' گورہ چوکی ضلع گونڈہ آ گئے۔ پھر اہل سلسلہ آپ کو ''پرا ماہم'' ضلع گونڈہ لے آئے جہاں تادم حیات ''الجامعۃ الحشمتیہ'' مشاہد نگر میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء میں تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند نے آپ کو اپنی اجازت وخلافت سے نوازا۔والد بزرگوار سے آپ بیعت تھے۔آپ کی تدفین ''پرا ماہم'' ضلع گونڈہ ہی میں ہوئی۔(ماخوذ از مفتی اعظم اور ان کے خلفا)۔**محمد سلیم بریلوی**

پہلی قسط

بابری نامہ

از۔مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی، روشن مستقبل دہلی

بابری مسجد ۱۵۲۸ء میں اجودھیا (موجودہ ایودھیا) فیض آباد اتر پردیش کے اندر تعمیر ہوئی۔بابر کے کمانڈر ''میر باقی'' نے مسجد تعمیر کرائی اور اسے اپنے بادشاہ ''بابر'' کے نام سے موسوم کیا۔یہ وہ زمانہ تھا جب سلطنت مغلیہ کے بانی ظہیر الدین محمد بابر نے ابراہیم لودی اور رانا سانگا کو کراری شکست دے کر سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی تھی۔

بابر کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی، سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کے چوتھے سال ۱۵۳۰ء میں بابر کا انتقال ہوگیا۔یعنی بھارت میں بابر نے قریب چار سال ہی گزارے۔ان چار سالوں میں بابر نے چار بڑی جنگیں لڑیں جن میں جنگ پانی پت، جنگ خانوا، جنگ چندیری اور جنگ گھاگھرا شامل ہیں۔یعنی بابر کے چار سالہ قیام ہند کا اکثر وقت جنگوں ہی میں گزرا، لیکن بابر کی جنگی مہارت نے چار سال ہی میں اسے ایک بڑے رقبے کا بادشاہ بنا دیا تھا۔

سن ۱۵۳۰ء میں بابر کا محض ۴۸/سال کی عمر میں انتقال ہوگیا لیکن کسی ہندو راجا نے بھی یہ الزام نہیں لگایا کہ بابری مسجد کسی مندر کو توڑ کر بنائی گئی ہے۔اس زمانے کے کسی ماخذ و مصدر میں بھی اس چیز کا تذکرہ نہیں ہے۔

بابر کے بعد اس کا بیٹا ''ہمایوں'' تخت نشیں ہوا۔لیکن دس سال بعد ہی شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو ہرا کر سلطنت پر قبضہ جما لیا، اس طرح تقریباً پانچ سال تک مغلیہ سلطنت ہندوستان سے غائب رہی۔اگر بابری مسجد مندر توڑ کر بنائی گئی ہوتی تو ان پانچ سالوں میں یہ بات ضرور سامنے آتی کیوں کہ مغل راج ختم ہو چکا تھا اور اقتدار مغل حکومت کے دشمنوں کے پاس تھا مگر ان پانچ سالوں میں بھی ایسی کوئی سُن گُن ہندو سماج میں نہیں تھی۔

ابتدائی مشکلات اور آزمائشوں سے جوجھنے کے باوجود جلال الدین محمد اکبر نے سلطنت مغلیہ کو طاقت ور بنایا۔سر اٹھانے والے مقامی راجاؤں کو بری طرح شکست دے کر اپنا دبدبہ قائم کیا۔اکبر ہی وہ بادشاہ بنا جس نے باپ دادا کے خلاف جا کر مذہب سے زیادہ سلطنت کو ترجیح دی جس کی بنا پر ہندو راجاؤں کی بیٹیوں سے بغیر قبول اسلام شادیوں کا چلن شروع ہوگیا۔

اکبر کی دین بیزاری اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب اس نے مذہب اسلام کے مقابلے ایک نیا دین، ''دین الٰہی'' جاری کیا۔اپنی بیوی ''جودھا بائی'' کی محبت میں گھر کے اندر مندر بنایا۔ہر صبح ''جھروکہ درشن'' کے نام پر بت پرستی شروع کی۔یہی وہ وقت تھا جب اکبر کے دربار میں ہندو راجاؤں اور پنڈتوں کو اثر و رسوخ نیز اونچا مقام ملا۔دربار اکبری کے نورتنوں میں چار لوگ ہندو تھے، جن میں ''راجا ٹوڈرمل''، ''راجا مان سنگھ''، ''راجا بیربل'' اور ''تونسر اعرف تان سین'' کو دربار اکبری میں نمایاں ترین مقام حاصل تھا۔اگر واقعی بابری مسجد مندر توڑ کر بنی ہوتی تو ہندو راجاؤں کے لیے اکبر جیسے بددین سے اپنی بات رکھنا اور مندر کا مطالبہ کرنا سب سے آسان تھا لیکن حیرت کی بات ہے کہ ایک بھی راجا یا پنڈت نے اس موضوع پر

اکبر سے نہ کبھی کوئی شکایت کی اور نہ اس کی بازیافت کا کوئی مطالبہ کیا۔ یہاں تک کہ کبھی کسی نے اس بات کا ذکر تک بھی نہیں کیا کہ بابری مسجد مندر کی جگہ بنی ہے۔ سمجھ نہیں آتا کہ وہ سارے ہندو راجا اور گیانی پنڈت جاہل تھے یا حد سے زیادہ ڈرپوک کہ اکبر جیسے دین بیزار سے بھی یہ بات نہ کر سکے؟

بادشاہ اکبر سے بادشاہ جہاں گیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے تک سلطنت مغلیہ پوری آن بان اور دبدبے کے ساتھ چلتی رہی۔ حضرت اورنگ زیب کے انتقال ۱۷۰۷ء کے بعد مغل اقتدار کمزور ہوتا گیا یہاں تک کہ ۱۸۰۳ء میں ہندوستان پر انگریز قابض ہو گیے۔ بس علامتی طور پر بادشاہت باقی رہی۔ آخری مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر متوفی ۱۸۶۲ء کی زندگی ہی میں ۱۸۵۷ء کو مغل سلطنت کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ اس خاتمے تک بھی کسی ایک ہندو مؤرخ نے بابری مسجد پر کوئی دعویٰ نہ کیا اور نہ مندر ہونے کا کوئی قضیہ سامنے آیا۔ حالانکہ اس وقت تک بابری مسجد کو بنے ہوئے تقریباً ۳۳۴ رسال ہو چکے تھے۔

مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر (۱۵۴۲-۱۶۰۵ء) تمام مغل بادشاہوں میں سب سے زیادہ لبرل اور آزاد خیال واقع ہوا تھا۔ کچھ اس کی ناخواندگی اور کچھ درباری علما کے نفاق، حرص اور طمع نے اسے مذہب بیزار بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ اکبر کے تبدیلی مزاج میں اس کی چوتھی بیوی ''ہرکھا بائی'' (یہی خاتون جودھا بائی کے نام سے مشہور ہے) نے بھی اہم رول ادا کیا۔ ''ہرکھا بائی'' آمیر جے پور راجستھان کے راجا ''بھارمل سنگھ'' کی بیٹی تھی۔ یہی وہ خاتون ہے جو اکبر کے نکاح میں آنے کے باوجود ہندو دھرم پر ہی قائم رہی، جس کی بنیاد پر اکبر کا رجحان ہندو مذہب اور بت پرستی کی جانب بھی بڑھتا گیا۔ ہندو مذہب میں دل چسپی کے باعث اکبر نے ہندوؤں کے مذہبی گرنتھ ''رامائن'' اور ''مہابھارت'' کا فارسی زبان میں ترجمہ کرایا۔ دربار میں مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کو عہدے دئے۔ ہندوؤں کی خوش نودی کی خاطر ''جزیہ'' کا قانون ختم کیا۔ ''ہرکھا بائی'' (جودھا بائی) کی محبت میں شہنشاہ اکبر اس قدر فریفتہ تھا کہ اس نے گائے کا گوشت تک کھانا چھوڑ دیا تھا۔

اکبر ہی کے زمانے میں ہندو مذہب کے دو بڑے فاضل اور اعلی درجے کے مذہبی مزاج رکھنے والے افراد موجود تھے، ایک ''تان سین'' (۱۵۰۰ء-۱۵۸۹ء) جو اکبر کے نو رتنوں میں شامل تھا جب کہ دوسرا ''سور داس'' (۱۴۷۸-۱۵۸۳) جو ایک معروف موسیقار اور ''شری کرشن'' کے بڑے بھکت کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ ''تان سین'' کی طرح بادشاہ اکبر ''سورداس'' کا بھی بڑا مداح تھا۔ یہاں تک کہ صرف سورداس کے بھجن سننے کے لیے متھرا تک کا سفر کیا اور سورداس کو بڑے انعام واکرام سے بھی نوازا۔

ہندو مذہب میں اکبر کی غیر معمولی دل چسپی اور ہندو باباؤں سے اکبر کی مثالی وابستگی کے باوجود کسی ایک ہندو رشی مُنی نے کبھی بھی یہ شکایت نہیں کہ آپ کے دادا بابر نے ہمارے بھگوان رام کا جنم استھان توڑ کر مسجد بنائی ہے۔ اگر کسی ہندو بابا نے جھوٹ موٹ بھی یہ شکایت کی ہوتی تو اکبر جیسا بادشاہ پہلی فرصت میں بابری مسجد ہندوؤں کو سونپ دیتا، لیکن تانسین سے لیکر سورداس تک، مان سنگھ سے لے کر بیربل تک سارے ہندو راجا اور پنڈت خاموش تھے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ ان کی نگاہ میں ایسا کوئی معاملہ سرے سے تھا

ہی نہیں جس کی شکایت وہ اکبر سے کرتے۔کوئی اور کرتا نہ کرتا لیکن اکبر کی بیوی ''ہرکھا بائی'' ضرور اکبر سے یہ کام کراتی کہ جو بیوی اکبر سے گائے کا گوشت چھڑا سکتی تھی وہ اپنے مندر کا مطالبہ کیوں نہیں کر سکتی تھی؟

اکبر ہی کے زمانے میں مشہور ہندو رشی سوامی ''تلسی داس'' (۱۵۱۱-۱۶۲۳ء) بھی موجود تھے۔تلسی داس ''سوروں''، ضلع کاس گنج یو پی کے رہائشی تھے۔تلسی داس ہی نے شری رام چندر کی سوانح عمری (Biography) لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔اس کام کا آغاز تلسی داس نے ایودھیا ہی میں کیا۔سن ۱۵۵۴ء میں ''راماین'' لکھنا شروع کی۔دو سال سات مہینے چھبیس دن میں یہ کام مکمل ہوا اور ۱۵۵۶ء میں یہ کام مکمل ہو گیا۔اسی گرنتھ کا نام ''رام چرت مانس'' ہے اور عوامی طور پر اسے راماین کے نام سے جانا جاتا ہے۔راماین سات کانڈ (ابواب) پر مشتمل ہے، لیکن کسی ایک باب میں بھی تلسی داس جیسے رام بھکت نے اس بات کا صراحت سے تو کیا، اشاروں میں بھی ذکر نہیں کیا کہ بابری مسجد رام جنم استھان اور مندر توڑ کر بنائی گئی ہے۔جب کہ اس وقت بابری مسجد کو بنے ہوئے ۲۶/سال ہی ہوئے تھے، اگر واقعی مسجد مندر توڑ کر بنی ہوتی تو تلسی داس اس حادثہ کا ذکر اپنی کتاب میں ضرور کرتے۔چھبیس سال کا زمانہ کوئی بڑا زمانہ نہیں ہوتا کہ لوگ پوری طرح بھول جائیں، خصوصاً ایسے حادثات کو تو لوگ صدیوں تک نہیں بھولتے، تو تلسی داس جیسے رام بھکت، گیانی پنڈت سے یہ امید کون کر سکتا ہے کہ وہ اس حادثہ کو بھول گیے ہوں گے یا مغل بادشاہ کے خوف سے چھوڑ دیا ہوگا؟ وہ بھی اکبر جیسا بادشاہ، جو ہندو مذہب کے بہت قریب اور اسلام سے بہت دور تھا۔تلسی داس کا اس اہم معاملے پر کچھ نہ لکھنا ہی اس بات کو صاف کر دیتا ہے کہ ایسا کوئی واقعہ تاریخ میں ہوا ہی نہیں تھا۔

جس زمانے میں بابری مسجد تعمیر ہوئی اس وقت تلسی داس کی عمر تقریباً ۱۷/سال رہی ہوگی، کیوں کہ تلسی داس ۱۵۱۱ء میں پیدا ہوئے جب کہ بابری مسجد ۱۵۲۸ء میں تعمیر ہوئی اس حساب سے تعمیر مسجد کے وقت تلسی داس کی عمر سترہ سال بنتی ہے۔سترہ سال کا لڑکا اتنا ناسمجھ نہیں ہوتا کہ اتنے بڑے حادثے کی اسے خبر ہی نہ ملی ہو۔۱۵۵۴ء میں تلسی داس نے ''راماین'' لکھنا شروع کی، اس وقت تلسی داس ۴۳/سال کے پختہ عمر شخص تھے جب کہ بابری مسجد کو بنے ہوئے ۲۶/سال ہو چکے تھے۔اس وقت یقیناً ایودھیا میں ایسے سیکڑوں لوگ موجود رہے ہوں گے جنہوں نے بابری مسجد کو بنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا، اگر واقعتاً مسجد رام مندر توڑ کر بنی ہوتی تو وہ لوگ تلسی داس سے اس واقعہ کا ذکر ضرور کرتے اور تلسی داس اسے راماین میں ضرور لکھتے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے سند رہے، لیکن کسی ہندو نے ایسا کہا نہ تلسی داس نے ایسا لکھا، کیوں کہ ایسا کچھ کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔بابری مسجد نہایت دیانت داری کے ساتھ ایک صاف ستھری زمین پر بغیر کسی مندر کو توڑے تعمیر ہوئی جس پر اس عہد کے ہندو پنڈتوں اور ہندو عوام کی خاموش گواہی بھی چیخ چیخ کر گواہی دے رہی ہے۔

اکبر کا زمانۂ سلطنت قریب پچاس سال پر محیط ہے۔پچاس سالہ دور حکومت کے ابتدائی چار سال محض نام کی بادشاہت کے تھے۔اس درمیان حکومتی نظم ونسق پر مکمل اختیار ''بیرم خان'' نامی سپہ سالار کا تھا۔جو ان دنوں اکبر کا اتالیق ہوا کرتا تھا۔ہمایوں کے انتقال کے وقت اکبر عمر کے چودہویں سال میں تھا، اندرونی بغاوت سے بچنے اور تخت کو بچانے کے لیے کم عمری کے باوجود اکبر کو بادشاہ اور بیرم خان کو اکبر کا اتالیق منتخب کیا گیا تاکہ کم سنی کی بنیاد پر حکومتی انتظام

میں کوئی خلل یا دشواری نہ آئے۔بیرم خان نے اگلے چار سال تک بطور اتالیق حکومتی نظام چلایا۔اٹھارہ سال کی عمر کے بعد اکبر نے بیرم خان کی سرپرستی ختم کرکے نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا۔اس طرح سن ۱۵۶۰ سے اپنے زمانہ انتقال (۱۶۰۵) تک کل ۴۵ رسال پورے دبدبے کے ساتھ حکومت کی۔

۶ر فروری ۱۵۶۲ء کو اکبر کی شادی ''آمیر'' جے پور راجستھان کے راجا بھارمل کی بیٹی ہرکھا بائی (جودھا بائی) سے ہوئی۔ہرکھا بائی اکبر کے نکاح میں تو آئی مگر قبول اسلام کیے بغیر ہی آئی اور دم اخیر تک ہندو ہی رہی۔اس خاتون کی قربت اور اقتدار کے بڑھتے ہوئے دائرے نے اکبر کے مزاج ومنہاج پر گہرا اثر ڈالا۔اس درمیان اکبر نے مسلسل کامیابیاں حاصل کیں اور اپنی سلطنت کا دائرہ کابل سے کشمیر، راجستھان سے گجرات اور بنگال سے خاندیش تک پہنچادیا۔جیسے جیسے حکومت بڑھتی گئی ویسے ویسے اکبر کے مذہبی مزاج میں تبدیلی بھی آتی گئی۔عمر کی چالیسویں بہار تک پہنچتے پہنچتے اکبر کے مزاج میں اسلام بیزاری گہری جڑیں جما چکی تھی، اسلام بیزاری اس حد تک بڑھی کہ اس نے ۱۵۸۱ء میں اسلام، ہندو مت، عیسائیت اور جین مت کی تعلیمات کا ملغوبہ بنا کر ایک نیا دین گڑھا۔اسی اختراعی مذہب کو ''دین الٰہی'' کا نام دیا گیا۔عبادت خانہ کے نام سے عبادت گاہ بھی تعمیر کی گئی۔اگلے ۲۴ رسال تک اکبر کی مذہبی حالت نہایت خراب رہی اور اس کی اسلام بیزاری میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

ہندوؤں کے لیے یہ وقت نہایت زریں وقت تھا، جزیہ اٹھا لیا گیا تھا۔علمائے حق زیر عتاب تھے، یعنی ہندوؤں کے لیے ہر لحاظ سے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ بابری مسجد کی شکایت کرکے مندر کا مطالبہ کر سکتے تھے لیکن حیرت کی بات ہے کہ جو بادشاہ کم وبیش ۲۵ر سال تک اسلام بیزار اور ہندومت کا حامی رہا اس سے ہندوؤں نے بابری مسجد کی برائے نام شکایت بھی نہیں کی۔یہ سوال بار بار اٹھتا ہے کہ آخر وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بنیاد پر ہندو طبقہ اتنے سازگار ماحول اور اتنے ہم مزاج بادشاہ کے دور میں بھی بابری مسجد کے قضیے پر خاموش تھا؟ اس کا صرف ایک ہی مطلب ہوسکتا ہے کہ یا تو سب بزدل تھے یا ایسا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

مغل سلطنت کا چوتھا بادشاہ نور الدین محمد سلیم عرف جہانگیر (۱۵۶۹-۱۶۲۷) تھا۔جہانگیر کی پیدائش ہرکھا بائی (جودھا بائی) کے بطن سے ہوئی تھی۔اس طرح یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جہانگیر کی رگوں میں افغانی خون کے ساتھ ساتھ راجپوت ماں کا ہندو خون بھی شامل تھا۔اکبر کے ''دین الٰہی'' کے اجرا کے چوتھے سال میں جہاں گیر کی شادی آمیر کے راجا بھگوان داس کی بیٹی ''مان بائی'' سے ہوئی۔یہ شادی اسلامی اور ہندو ریتی رواج کے مطابق ہوئی۔اگلے ہی سال جنوری ۱۵۸۶ء میں جہاں گیر نے جودھپور راجستھان کے راجا اُدے سنگھ (راجا موٹا سنگھ) کی بیٹی ''جگت گوسائیں'' سے بھی شادی رچائی۔اس طرح جہاں گیر کے نکاح میں یکے بعد دیگرے دو ہندو خواتین آئیں۔جگت گوسائیں ہی کے پیٹ سے شہنشاہ شاہجہاں کی پیدائش ہوئی تھی۔سن ۱۶۰۹ء عیسوی میں جہانگیر نے ''بندیل کھنڈ'' کے راجا ''رام چندر بندیلا'' کی بیٹی کو اپنے حرم میں داخل کیا۔اس کے علاوہ بھی جہانگیر نے مختلف ہندو خواتین سے شادیاں کیں یا انہیں اپنے حرم میں داخل کرکے غیر شرعی تعلقات بنائے۔

پہلی شادی کے وقت جہاں گیر کی عمر محض ۱۶؍سال تھی، مگر بڑے باپ کا بیٹا ہونے کے ناطے مے نوشی جیسی بری عادت اسے پندرہ سال کی عمر ہی میں لگ گئی تھی۔ شراب نوشی میں جہانگیر اس قدر ڈوبا رہتا تھا کہ دن ورات میں بیس پیالے شراب پیتا تھا۔ جس کا وزن اس زمانے چھ سیر ہوا کرتا تھا۔ جہانگیر کی عمر ۳۶؍سال کی تھی کہ اکبر نے اس دنیا کو خیر آباد کہا اور جہانگیر کی تاج پوشی ہوئی۔ کچھ باپ کی آزاد خیالی کا اثر، کچھ اپنی بے لگام طبیعت اور کچھ ہندو بیگمات اور داشتاؤں (رکھیلوں) کی صحبتوں کی بنیاد پر جہانگیر بھی مذہبی اعتبار سے آزاد خیال واقع ہوا تھا۔ اسی آزاد خیالی کی بنیاد پر ہفتے میں تین دن ذبیحے پر پابندی عائد کی۔ سجدہ تعظیمی کی شروعات کی۔ عمومی طور پر ہفتے میں تین دن ذبیحہ بند تھا لیکن گائے کے ذبیحے پر مکمل پابندی لگادی گئی تھی۔

اس طرح یوں کہہ سکتے ہیں کہ جہانگیر اپنے باپ اکبر کی طرح کسی نئے دین کا بانی تو نہیں بنا لیکن اسلامی اصولوں کو پامال کرنے میں پیچھے بھی نہیں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں علماے حق کو بڑی مشکلات اٹھانا پڑیں جس نے اسلامی احکام کی بات کی اسے جہانگیر کے ظلم و جبر کا شکار ہونا پڑا۔ اس عہد کے نام ور عالم دین اور شیخ طریقت مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمہ کو بھی جہانگیر کے غیر اسلامی رویے کے خلاف آواز اٹھانے کی پاداش میں جیل کی تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔

جہانگیر کے دربار میں مصنفین اور مصورین میں بھی اچھی خاصی تعداد میں ہندو افراد موجود تھے۔ جن میں ''وشواس داس''، ''منوہر''، ''بشن داس''، ''مادھو'' اور ''گوردھن'' جیسے نامی فن کار شامل ہیں۔ جہانگیر نے ہندوستانی موسیقی کو بھی پروان چڑھایا اس ضمن میں اس زمانے کے معروف ہندو مصنف ''دامودر مشرا'' نے ''سنگیت درپن'' نامی کتاب لکھی۔ جس پر دربار جہانگیری سے انعام واکرام بھی پایا۔

شہنشاہ اکبر کے بعد جہانگیر ہی ایک ایسا مغل بادشاہ ہے جسے ہندو دانش وران قدر واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مجدد الف ثانی کے ہاتھ پر توبہ تک جہانگیر کی حالت ایسی ہی رہی کہ ہندو اس سے بہت خوش تھے اور مسلمان خائف اور پریشان، لیکن یہاں بھی یہ جان کر بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ جہانگیر کے کسی ایک ہندو درباری یا ہندو مصنف ومصور نے جہانگیر سے بابری مسجد کا قضیہ ذکر نہیں کیا۔ جس جہانگیر کی پانچ چھ سسرالیں ہندو راجاؤں میں تھیں ان میں سے کسی ایک راجا نے بھی بابری مسجد کے رام جنم بھومی پر بنی ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ جو جہانگیر ہندوؤں کی محبت میں ہفتے میں تین دن عام ذبیحے اور گائے کے ذبیحے پر مستقل پابندی لگا سکتا تھا کیا وہ ہندوؤں کے کہنے پر بابری مسجد نہیں دے سکتا تھا؟ مگر جہانگیر کے ۲۲؍سالہ دور حکومت میں بھی کبھی کسی مصنف/مصور/ پنڈت/ راجا اور عوام کسی نے کبھی اس بات کا ذکر ہی نہیں کیا۔ ذکر نہ کرنے کی دو ہی وجہیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ وہ سارے راجا/مصنف/ پنڈت اور ہندو عوام ڈر پوک اور بزدل تھے یا پھر تاریخ میں ایسا کچھ ہوا ہی نہیں تھا اس لیے وہ اس چیز کا ذکر ہی کیا کرتے جو کبھی واقع ہی نہیں ہوئی تھی۔

تاریخ کا تجزیہ کرنے کے بعد دوسرا پہلو ہی درست معلوم ہوتا ہے کہ:

☆ ایک ساتھ عوام وخواص کا بزدل ہونا اور خاموش رہنا عقل وسمجھ کے خلاف ہے۔

☆ درست بات یہی تھی کہ بابری مسجد عہد بابر سے عہد جہانگیری تک بھی غیر متنازعہ تھی اور عدل وانصاف کے مطابق ہی بنائی گئی تھی۔

☆ اس لیے نہ بابر واکبر کے زمانے میں بابری مسجد پر کوئی دعویٰ ہوا اور نہ ہی جہانگیر کے زمانے میں بابری مسجد پر کوئی الزام لگایا جاسکا۔

فتنۂ الحاد کا تعارفی وتنقیدی جائزہ

از۔مولانا محمد مبشر رضا، لاہوری

کسی بھی چیز کو کما حقہ جاننے کے لیے سب سے پہلے اس چیز کے مبادیات کی معرفت کا ہونا ضروری ہے۔کیونکہ جب ہمیں اس چیز کی ابتدائی معرفت نہیں ہوگی تو ہم اس چیز میں بحث نہیں کر سکیں گے۔عربی زبان کا ایک مقولہ ہے:

من لم یعرف الشر فیوماً یقع فیه

ترجمہ: جو کسی برائی کو جانتا نہیں ہے تو ایک نہ ایک دن وہ اس برائی میں پڑ جائے گا۔

کیونکہ گمراہی کوئی ایسی چیز نہیں جو دستک دے کر آئے۔ بلکہ وہ برائی بغیر بتائے داخل ہو جاتی ہے اور ایسی داخل ہوتی ہے کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ اس برائی کے دلدل میں دھنس جاتا ہے۔لہٰذا ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ الحاد کون سی برائی ہے اور الحاد کے ہم پر کیا اثرات ہیں۔اگر ہمیں ان چیزوں کا پتہ نہیں ہوگا تو ایک نہ ایک دن ہم پر بھی اس برائی کے اثرات آسکتے ہیں۔اس لیے اب ہم کچھ الحاد کے اوپر بات کرتے ہیں۔

الحاد ایک ایسی بیماری ہے جو ہمارے عقیدے کو خراب کر دیتی ہے۔جسکی وجہ سے ہم اپنے پیارے دین اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔اس وقت افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ الحادی فکر ہمارے معاشرے میں دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے اور آئے دن یہ خبریں موصول ہورہی ہیں کہ فلاں فلاں شخص ملحد ہوگیا۔

الحاد کا لغوی معنی: عربی زبان میں لفظ ا''لحاد'' کا لغوی معنی انحراف کرنا یعنی درست راستہ اور راہِ حق سے ہٹ جانا ہے۔''الحاد'' یہ ''لحد'' سے ماخوذ ہے اور لحد کا لفظ قبر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ طاق یا دراڑ ہے جو قبر میں ایک جانب ہٹی ہوئی ہوتی ہے کہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے۔چونکہ یہ طاق یا دراڑ قبر سے منحرف ہو جاتی ہے اسی وجہ سے اسکو لحد کہا جاتا ہے اور اسی لحد سے الحاد بھی بنا ہے۔کیونکہ جو ملحد شخص ہوتا ہے وہ اپنے حق عقیدے سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔

الحاد کا اصطلاحی معنی: مصری ملحد اسماعیل احمد ادہم نے اپنی کتاب ''لماذا انا ملحد''میں الحاد کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کی:

''الحاد اس بات پر یقین کو کہتے ہیں کہ کائنات کا سبب خود کائنات ہے اور اس عالم کے علاوہ کسی بھی چیز کا وجود نہیں ہے۔''(لماذا انا ملحد،ص۸)

یعنی اس ملحد کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات خود بخود چل رہی ہے اور اس کائنات کو چلانے والا کوئی نہیں ہے۔لہٰذا رب تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنا یہ اصل میں الحاد ہے۔

ملحد کی تعریف: اگر دیکھا جائے تو لفظ ملحد اپنی لغوی تعریف کے اعتبار سے کفر کے تمام اقسام کو شامل ہے۔

اور اصطلاحی تعریف کے اعتبار سے اگر کوئی شخص زبان سے تو حق کا

اقرار کرتا ہے مگر ضروریات دین میں سے کسی امر کی ایسی تشریح کرتا ہے جو صحابہ کرام، تابعین عظام اور اجماع امت کے خلاف ہو تو وہ شخص ملحد ہے۔

الحاد کی تاریخ: الحادی فکر کے لوگ اسلام سے پہلے مسیحی دور سے چلے آرہے ہیں۔ قرآن کے نازل ہونے کے وقت بھی یہ طبقہ موجود تھا۔ ایک اصول یاد کرلیں کہ زمانہ قدیم سے ہی بعض لوگ الحاد کے کسی نہ کسی شکل میں قائل تھے۔ لیکن خدا کے وجود کا انکار بہت کم کیا گیا ہے۔ البتہ دنیا میں عوام الناس کی اکثریت ایک یا ایک سے زیادہ خداؤں کی قائل رہی ہے۔ قدیم زمانے میں بہت کم ہی افراد خدا کے وجود کا انکار کرنے والے تھے۔ بڑے مذہب میں سے صرف ایک ہی ایسا مذہب ہے جس میں خدا کے وجود کا تصور نہیں وہ صرف ''بدھ مت'' اور ہندوؤں کے بعض فرقے جیسے ''جین مت'' اور ان کے علاوہ چند فلسفی گزرے ہیں جنہوں نے خدا کے وجود کا انکار کیا ہے۔

دنیا میں یا تو شرک کا غلبہ رہا یا تو انبیاء کے ماننے والے غالب رہے۔ الحاد اس وقت ظاہر ہوا جب دین اسلام ترقی کر رہا تھا۔ ہر طرف اسلام کا جھنڈا تھا اور جو اسلام کے دشمن تھے یہود و نصاریٰ ان کی کوشش سے یہ فرقہ قائم ہوا تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کیے جاسکیں۔

شہرت کے اعتبار سے الحاد کی تاریخ سولہویں صدی سے شروع مانی جاسکتی ہے مگر آہستہ آہستہ بیسویں صدی میں اس کی تشہیر عروج پر پہنچ گئی۔

اس کی وجہ یہ رہی کہ ان ادوار میں چند ملحدین نے تصنیفات کے ذریعہ الحاد کو شہرت دی اور الحادی نظریات کو فروغ دینے کے لیے مختلف سمینار منعقد کیے۔ ان ملحدین کے نام یہ ہیں:

(۱) رچرڈ ڈاکنز (۲) ڈینیل ڈینٹ (۳) کرسٹوفر ہچنز (۴) سیم ہیرس۔

اہل ایمان میں الحاد کیسے پیدا ہوا: ابتداً الحاد مسلمانوں میں بے اثر رہا اور جب ملحدین نے دیکھا کہ اسلام کے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تو انہوں نے بڑی چالاکی سے فکری الحاد کی راہ ہموار کی اور ہوشیاری کے ساتھ دنیاوی اور ماڈرن تعلیم کے ادارے قائم کیے جن میں سیکولرازم جیسا خوبصورت نام رکھ کر الحادی سوچ کو ترویج دی۔ لوگ اعلیٰ تعلیم کے چکر میں ان تعلیمی اداروں میں جاتے رہے اور انجانے میں الحاد کا شکار ہوتے رہے۔ ساتھ میں ان تعلیمی ادارے والوں نے مرد وعورت کو مخلوط کر کے تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تاکہ نفس کی خواہشات کو پورا کرنے والے اس جال سے الحادی فکر میں داخل ہو جائیں۔

ہماری آنکھیں اس بات کی گواہ ہیں کہ اعلیٰ تعلیم کے نام پر جو ادارے قائم کیے گئے انہوں نے الحادی سوچ کو گھر گھر تک پہنچانے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ اس کے بعد ہوا یہ کہ جو افراد گناہ کرنے کی آزادی چاہتے تھے اور جس کی اجازت مذہب اسلام نہیں دیتا تھا تو ایسے افراد بھی الحاد اور لادینیت کا سہارا لیتے ہوئے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کر کے الحادی فکر کے علمبردار بن گئے۔ کیونکہ دین اسلام جن باتوں سے روکتا ہے ان باتوں سے باز رہنا ضروری ہے نیز دین اسلام جن باتوں کا حکم دیتا ہے ان کی تعمیل ضروری ہے۔ اس کے برخلاف الحاد اور لادینیت ان تمام چیزوں

سے بے نیاز کر دیتی ہے۔الحاد تو یہ کہتا ہے کہ آپ کا جو دل کرے آپ کرتے جائیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔اگر آپ دین کو مانیں گے تو دین کے تمام احکام کو بھی ماننا پڑے گا جس کی وجہ سے ہماری تمام باطل خواہشات دین کے راستہ میں پوری نہیں ہوں گی۔اگر آپ ملحد، سیکولر اور لادین بن جائیں گے تو اپنی ان باطل دلی خواہشات کو آسانی سے کر سکیں گے کیونکہ اس صورت میں کوئی شخص آپ کو روکنے والا نہیں ہوگا۔جس طرح مرضی چاہے جانوروں کی طرح اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کریں۔قرآن نے بھی ان لوگوں کے بارے میں یہی فرمایا کہ انہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنالیا ہے۔اسی لیے تو ڈاکٹر اقبال نے اس مفہوم الحاد کی ترجمانی یوں کی کہ:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ہم نے پڑھا کہ الحاد ہمارے عقیدے کے لیے کتنا خطرناک ہے؟ اس لیے ہمارے بزرگ اپنے معاشرہ میں اپنے بچوں کو یہی تلقین کرتے تھے کہ ہر حال میں قرآن و حدیث اور اسلاف امت کے طریقہ پر گامزن رہو۔ہمیں اسی بات کا درس دیا جاتا تھا کہ ہم دیندار افراد کی صحبت اختیار کریں۔ہمیں اس بات پر بھی تنبیہ کی جاتی رہی کہ ہم اپنے دینی رہنماؤں سے بغاوت نہ کریں اور ان کے بتائے ہوئے راستوں پر مضبوطی سے چلتے رہیں۔ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ ہم اپنے ائمہ دین کے بیان کردہ دینی و شرعی اصول وضوابط پر کاربند رہیں، علمائے ربانیین اور اللہ کے مقرب بندوں کی بارگاہوں میں جاتے رہیں تاکہ ہم ہر طرح کے الحادی حملوں سے محفوظ رہیں۔

یاد رکھیں کہ الحادی فکر کی ابتدا اپنی دینی و مذہبی شخصیات سے بغاوت کی صورت میں ہوتی ہے۔اولاً انسان اپنے اسلاف کا باغی ہوتا ہے، اس کی فکر میں آزادی پیدا ہوتی ہے، آہستہ آہستہ زبان وقلم فکری آوارگی کا شکار ہوتے ہیں اور پھر دیکھتے دیکھتے اس کی انتہا دینی اصولوں، شرعی ضابطوں یہاں تک کہ خدا کے انکار پر ہوتی ہے۔

کسی بھی ملحد بننے والے شخص کی زندگی کا اگر آپ تجزیہ کریں تو قدر مشترک کے طور پر آپ کو یہی باتیں دیکھنے کو ملیں گی کہ وہ پہلے قلمی و زبانی آوارگی میں مبتلا ہوا اور اس کے بعد اخیر میں پورے مذہب کا ہی منکر ہو گیا۔اس لیے اس الحادی فکر سے بچنے کے لیے ضروری یہ ہے کہ اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کے ساتھ اللہ کے ولیوں، اسلاف امت، ائمہ دین، صحابہ کرام اور اللہ کے محبوب بندوں کا انہیں عاشق وشیدائی بنائیں۔عشق رسول اور محبت رسول سے ان کے سینوں کو روشن ومنور کریں۔اللہ والوں کے مزارات مقدسہ، اولیائے کرام کی خانقاہوں اور دیندار و متقی پرہیزگار نیز جامع شرائط پیروں سے انہیں مرید کرا کر وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں لے جاتے رہیں۔ہمارا یہ تجربہ ہے کہ جن بچوں کو اس طرح کا دینی ماحول ملتا ہے اور وہ کسی اہل اللہ سے وابستگی بچپن ہی سے رکھتے ہیں تو وہ دنیوی اور ماڈرن تعلیم کے میدان میں کتنی ہی اعلیٰ منزل پر کیوں نہ پہنچ جائیں مگر ان کی دینی فکر میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔اس لیے عقائد حقہ اور معمولات حقہ کا اپنے بچوں کو خوگر بنانا ہی الحادی فکر سے بچنے اور بچانے کا عصر حاضر میں سب سے کارگر طریقہ ہے۔

اسلام کا عقیدۂ قضا وقدر

از۔مولانا محمد اظہر القادری راعینی، جامعۃ الرضا بریلی شریف

اسلام میں قضا وقدر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بندوں کے اعمال ان کے پیدا ہونے سے قبل ہی اپنے علمِ ازلی سے معلوم ہیں اور اس نے اسی علم کے مطابق جو کچھ لکھ لیا ہے اسے ہی ہم تقدیر کہتے ہیں۔لیکن قرآن وحدیث میں تقدیر کی جگہ قضاؤ قدر کے کلمات کا زیادہ اطلاق ہوا ہے۔عام بول چال میں ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص خوش نصیب ہے یا خوش قسمت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں کی تقدیر اچھی ہے۔غرض کہ تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروریاتِ دین سے ہے جس پر ایمان رکھنا ضروری ولازم ہے۔

تقدیر: تقدیر لغت میں ''اندازہ کرنے'' کو کہتے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں تقدیر کہتے ہیں: دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اور بندے جو کچھ کرتے ہیں، نیکی وبدی وہ سب اللہ کے علم ازلی (خدا کا قدیم علم جو ہمیشہ سے ہے) کے مطابق ہوتا ہے۔جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اللہ کے علم میں ہے اور اس کے پاس لکھا ہوا ہے۔(از صدر الافاضل)

عقیدۂ تقدیر: اسلام میں تقدیر کا عقیدہ فرض ہے اس کا منکر کافر اور خارج از اسلام ہے۔جیسا کہ ایمان مفصل میں ہے: والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ۔ **ترجمہ:** اور میں ایمان لایا اچھی بری تقدیر پر کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

ہر بھلائی، بُرائی اُس نے اپنے علمِ اَزلی کے موافق مقدّر فرما دی ہے، جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا، اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا تو یہ نہیں کہ جیسا اُس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اُس نے لکھ دیا۔زید کے ذمّہ برائی لکھی اس لیے کہ زید برائی کرنے والا تھا، اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اُس کے لیے بھلائی لکھتا تو اُس کے علم یا اُس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا۔تقدیر کے انکار کرنے والوں کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس اُمت کا مجوس بتایا۔(بہار شریعت)

تقدیر کے متعلق قرآن کی آیات:

وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۔(الفرقان:۲)

ترجمہ: اس نے ہر چیز پیدا کر کے ٹھیک اندازہ پر رکھی۔

وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا۔(الاحزاب:۳۸)

ترجمہ: اور اللہ کا کام مقرر تقدیر ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔(القمر:۴۹)

ترجمہ: بیشک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی۔

تقدیر کے ثبوت کے متعلق احادیث:

حدیث جبریل میں ہے:(۱): قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلَائِكَتِهٖ، وَرُسُلِهٖ، وَكُتُبِهٖ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔(سنن ابن ماجہ:۶۳)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت پر اور اس پر کہ ہر اچھی اور بری چیز اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔

(۲) عَنْ يَحْيَى بْنِ يعمر، عَنْ أَبِي الأَسْوَدِ الدئلِي، قَالَ: قَالَ لِي عِمْرَانُ بنُ الحصين: إِنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ مَزِيْنَةِ أَتَيَا رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم۔ فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ مَا يَعْمَل النَّاسُ اليَوْمَ، وَيكدحون فِيْهِ، أَشَيءٌ قَضى عَلَيْهِم وَمَضى فِيْهِم مَنْ قدر قَدْ سبق، أو فِيْمَا يَسْتَقْبِلُوْنَ بِهٖ مِمَّا أَتَاهُم بِهٖ

نَبِیُّهُم، وَثَبَتَت الحجة عَلَیهِم؟ فَقَالَ "لَا بَلُ شَیء قَضی عَلَیهِم وَمَضی فِیهِم" وَتَصدِیقُ ذٰلِكَ فِی كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ:

"وَ نَفسٍ وَّ مَا سَوّٰیهَا۔فَاَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقْوٰیهَا۔"(الشمس)

(صحیح مسلم،الحدیث:۲۶۰۵)

حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں: مزینہ کے دو شخصوں نے آ کر کہا یارسول اللہ! یہ بتائیں کہ آج جو لوگ عمل کرتے ہیں اور اس میں مشقت اٹھاتے ہیں، آیا یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان کے لیے مقدر کردی گئی ہے یا جو کچھ ان کو ان کے نبی نے بتایا ہے یہ اس پر از خود عمل کررہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان پر مقدر کردی گئی ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

"وَ نَفسٍ وَّ مَا سَوّٰیهَا۔فَاَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقْوٰیهَا۔"

ترجمہ: اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے اپنی کتاب "نعم الباری شرح صحیح البخاری" میں مذکورہ حدیث پاک کی تشریح اس طور پر کی ہے:

یعنی ہر انسان کو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ خیر اور شر، نیکی اور بدی کی پہچان کرادی اور اس کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ صحیح اور غلط اور حق اور باطل میں تمیز کرسکے اور جس نے کتاب وسنت اور عقل سلیم کی ہدایت پر عمل کیا وہ کامیاب ہے اور جس نے اس سے انحراف کیا، وہ ناکام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت سے استدلال کا یہ منشاء ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں نفس انسان کو بھلائی اور برائی سمجھادی تھی اور اس کو ازل میں علم تھا کہ دنیا میں آ کر انسان اس ہدایت پر عمل کرے گا یا نہیں، سو اسی علم کے موافق اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا اور اسی کا نام تقدیر ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَ كُلُّ شَیءٍ فَعَلُوهُ فِی الزُّبُر۔(القمر:۵۲)

ترجمہ: انہوں نے جو کچھ عمل کیے وہ سب لوح محفوظ میں لکھے ہوئے تھے۔

(نعم الباری شرح صحیح البخاری، ج۱۴،ص۳۵۵،ضیاء القرآن پبلیکیشنز کراچی)

انسان کے مجبور یا مختار ہونے کی تفہیم:

سوال: کیا تقدیر کے موافق کام کرنے پر آدمی مجبور ہے؟

جواب: نہیں! بندہ کو اللہ تعالیٰ نے نیکی و بدی کرنے کا ایک نوع اختیار دیا ہے اسی وجہ سے وہ کل قیامت کے دن اللہ کے حضور جواب دہ ہوگا۔ وہ اپنے اختیار سے جو کچھ کرتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا ہوا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ مثال مع توضیح: امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ "ثلج الصدر لإیمان القدر" میں لکھتے ہیں:

"دو پیالوں میں شہد اور زہر ہیں اور دونوں خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں، شہد میں شفاء اور زہر میں ہلاک کرنے کا اثر بھی اُسی نے رکھا ہے۔ روشن دماغ حکموں کو بھیج کر بتا بھی دیا ہے، کہ دیکھو یہ شہد ہے، اس کے یہ فوائد ہیں اور خبردار یہ زہر ہے اس کے پینے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ ان ناصح اور خیر خواہ حکمائے کرام کی یہ مبارک آوازیں تمام جہان میں گونجیں اور ایک ایک شخص کے کان میں پہنچیں۔ اس پر کچھ نے شہد کی پیالی اٹھا کر پی اور کچھ نے زہر کی۔ اُن اٹھانے والوں کے ہاتھ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے تھے اور ان میں پیالہ اٹھانے، منہ تک لے جانے کی قوت بھی اسی کی رکھی ہوئی تھی۔ منہ اور حلق میں کسی چیز کو جذب کر کے اندر لینے کی قوت اور خود منہ اور حلق اور معدہ وغیرہ سب اُس کی مخلوق تھے، اب شہد پینے والوں کے جوف میں شہد پہنچا، کیا وہ آپ اُس کا نفع پیدا کرلیں گے؟ یا شہد بذات خود خالق نفع ہو جائے گا؟ حاشا! ہرگز نہیں بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہے اور ہوگا تو اسی کے ارادہ سے ہوگا، وہ نہ چاہے تو منوں شہد پی جائے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ چاہے تو شہد زہر کا اثر دے، یونہی زہر والوں کے پیٹ میں زہر جا کر، کیا وہ آپ ضرر کی تخلیق کرلیں گے،

یا زہر خود بخود خالق ضرر ہو جائے گا؟ حاشا! ہرگز نہیں بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اس کے قبضہ اقتدار میں ہے اور ہوگا تو اسی کے ارادے سے ہوگا، بلکہ وہ چاہے تو زہر شہد ہو کر لگے، بایں ہمہ شہد پینے والے ضرور قابل تحسین و آفریں ہیں۔ ہر عاقل یہی کہے گا کہ انھوں نے اچھا کیا، ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اور زہر پینے والے ضرور لائقِ سزا و نفریں ہیں کہ ہر ذی ہوشی یہی کہے گا کہ یہ بد بخت خودکشی کے مجرم ہیں۔

دیکھو! اوّل سے آخر تک جو کچھ ہوا سب اللہ ہی کے ارادے سے ہوا اور جتنے آلات اس کام میں لئے گئے سب اللہ ہی کی مخلوق تھے اور اسی کے حکم سے انھوں نے کام دیے، جو تمام عقلاء کے نزدیک ایک فریق کی تعریف ہے اور دوسرے کی مذمت، تمام کچہریاں جو عقل سے حصہ رکھتی ہوں اِن زہر نوشوں کو مجرم بنائیں گی۔ پھر کیوں بناتی ہیں؟ نہ زہر ان کا پیدا کیا ہوا، نہ زہر میں قوتِ اِہلاک اُن کی رکھی ہوئی، نہ ہاتھ ان کا پیدا کیا ہوا، نہ اس کے بڑھانے، اٹھانے کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ دہن و حلق ان کے پیدا کئے ہوئے، نہ ان میں جذب و کشش کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ حلق سے اتر جانا ان کے ارادے سے ممکن تھا۔ آدمی پانی پیتا ہے اور چاہتا ہے کہ حلق سے اترے مگر اُچھّو ہو کر نکل جاتا ہے، اس کا چاہا نہیں چلتا۔ جب تک وہی نہ چاہے جو صاحب سارے جہان کا ہے۔

اب حلق سے اترنے کے بعد تو ظاہری نگاہوں میں بھی پینے والے کا اپنا کوئی کام نہیں، خون میں اس کا ملنا اور خون کا اسے لے کر دورہ کرنا اور دورہ میں قلب تک پہنچنا اور وہاں جا کر اسے فاسد کر دینا، یہ کوئی فعل نہ اس کے ارادے سے ہے، نہ اس کی طاقت سے۔ بہتیرے زہر پی کر نادم ہوتے ہیں، پھر ہزار کوشش کرتے ہیں، جو ہونی ہے ہو کر رہتی ہے۔ اگر اس (پینے والے بندے) کے ارادہ سے ضرر ہوتا تو اس ارادہ سے باز آتے ہی زہر کا باطل ہو جانا لازم تھا، مگر نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ بے اثر ہے۔ پھر اس سے کیوں باز پرس ہوتی ہے؟ ہاں باز پرس کی وہی وجہ ہے کہ شہد اور زہر اسے بتا دیے تھے، عالی قدر حکمائے عِظام کی معرفت سب نفع نقصان جتا دیے تھے، دست و دہان و حلق اس کے قابو میں کر دیے تھے، دیکھنے کو آنکھ، سمجھنے کو عقل اسے دے دی تھی، یہی ہاتھ جس سے اس نے زہر کی پیالی اٹھا کر پی، جامِ شہد کی طرف بڑھاتا (تو) اللہ تعالیٰ اسی (ہاتھ) کا اٹھنا پیدا کر دیتا، یہاں تک کہ سب کام اوّل تا آخر اسی کی خلق و مشیّت سے واقع ہو کر اس کے نفع کے مُوجِب ہوتے مگر اُس نے ایسا نہ کیا بلکہ کاسِ زہر (زہر کے پیالے) کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے پینے کا عزم لایا۔ وہ غنی، بے نیاز، دونوں جہان سے بے پروا ہے، وہاں تو عادت جاری ہو رہی ہے کہ یہ قصد کرے اور وہ خَلق فرما دے، اس نے اسی کاسہ کا اٹھنا اور حلق سے اترنا، دل تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ پیدا فرما دیا، پھر یہ کیونکر بے جرم قرار پا سکتا ہے۔

انسان میں یہ قصد و ارادہ و اختیار ہونا ایسا واضح و روشن و بدیہی امر ہے جس سے انکار نہیں کر سکتا مگر مجنون۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کے چلنے پھرنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ وغیرہ افعال کے حرکات اِرادی ہیں۔ ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کا کام کرنے کے لئے ہاتھ کو حرکت دینا اور وہ جنبش جو ہاتھ کو رعشہ سے ہو، اُن میں صریح فرق ہے۔ ہر شخص واقف ہے کہ جب وہ اوپر کی جانب جست کرتا ہے اور اس کی طاقت ختم ہونے پر زمین پر گرتا ہے، ان دونوں حرکتوں میں تفرقہ (فرق) ہے۔ اوپر کودنا اپنے اختیار و ارادہ سے تھا، اگر نہ چاہتا نہ کودتا اور یہ حرکت تمام ہو کر اب زمین پر آنا اپنے ارادہ و اختیار سے نہیں۔ ولہٰذا اگر رکنا چاہے تو نہیں رک سکتا، بس یہی ارادہ، یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے، عقل کے ساتھ اس کا پایا جانا یہی مدارِ امر و نہی و جزا و سزا و عقاب و پرسش و حساب ہے، اگرچہ بلاشبہ بلا رَیب قطعاً یقیناً یہ ارادہ و اختیار بھی اللہ عزوجل ہی کا پیدا کیا

ہوا ہے، جیسے انسان خود بھی اُسی کا بنایا ہوا ہے۔ آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا، نہ اپنے لئے آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہا بنا سکتا تھا، یونہی اپنے لئے طاقت، قوّت، ارادہ، اختیار بھی نہیں بنا سکتا تھا۔ سب کچھ اس نے دیا اور اسی نے بنایا، مگر اس سے سمجھ لینا کہ جب ہمارا ارادہ واختیار بھی خدا ہی کا مخلوق ہے تو پھر ہم پتھر ہو گئے، قابلِ سزا و جزا و باز پرس نہ رہے، کیسی سخت جہالت ہے!! صاحبو! تم میں خدا نے کیا پیدا کیا؟ ارادہ واختیار۔ تو اِن کے پیدا ہونے سے تم صاحبِ ارادہ، صاحبِ اختیار ہوئے یا مضطر، مجبور، ناچار؟ صاحبو! تمھاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا؟ یہ کہ وہ ارادہ واختیار نہیں رکھتا اور تم میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی۔ عجب عجب کہ وہی صفت جس کے پیدا ہونے نے تمھاری حرکات کو پتھر کی حرکات سے ممتاز کر دیا، اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھو۔ یہ کیسی الٹی مَت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھیں پیدا کیں، ان میں نور خلق کیا، اِس سے ہم انکھیارے ہوئے، نہ کہ معاذ اللہ اندھے؟ یونہی اس نے ہم میں ارادہ واختیار پیدا کیا، اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار ہوئے، نہ کہ الٹے مجبور؟

ہاں! یہ ضرور ہے کہ جب وقتاً فوقتاً ہر فردِ اختیار بھی اُسی کی خلق، اُسی کی عطا ہے، ہماری اپنی ذات سے نہیں، تو مختار کردہ ہوئے، خود مختار نہ ہوئے، پھر اس میں کیا حرج ہے؟ بندے کی شان ہی نہیں کہ خود مختار ہو سکے، نہ جزا و سزا کے لئے خود مختار ہونا ہی ضرور۔ ایک نوع اختیار چاہیے، کسی طرح ہو، وہ بداہۃً حاصل ہے۔

آدمی انصاف سے کام لے تو اسی قدر تقریر ومثال کافی ہے۔ شہد کی پیالی اطاعتِ الٰہی ہے اور زہر کا کاسہ اس کی نافرمانی اور وہ عالی شان حکماء، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (ہیں) اور ہدایت اس شہد سے نفع پانا ہے کہ اللہ ہی کے ارادہ سے ہوگا اور ضلالت اس زہر کا ضرر پہنچنا کہ یہ بھی اسی کے ارادہ سے ہوگا، مگر اطاعت والے تعریف کئے جائیں گے اور تمرّد (سرکشی) والے مذموم وملزم ہو کر سزا پائیں گے۔ پھر بھی جب تک ایمان باقی ہے "یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ (جسے چاہے بخش دے۔ت) باقی ہے۔ (القرآن الکریم) والحمد للہ رب العلمن، له الحکم والیه ترجعون۔" (فتاویٰ رضویہ، ج۲۹، ص۲۹۰-۲۹۲)

قضا وقدر پر بحث کرنے کا حکم: لیکن قضا وقدر کے متعلق بحث ومباحثہ کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ "بہار شریعت" میں ہے:

"قضا وقدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے۔ ان میں زیادہ غور وفکر کرنا سبب ہلاکت ہے۔ صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے۔ ماوشما (ہم اور آپ) کس گنتی میں؟ اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو مثلِ پتھر اور دیگر جمادات کے بے حس وحرکت نہیں پیدا کیا، بلکہ اس کو ایک نوعِ اختیار (ایک طرح کا اختیار) دیا ہے کہ ایک کام چاہے کرے، چاہے نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی عقل بھی دی ہے کہ بھلے، بُرے، نفع، نقصان کو پہچان سکے اور ہر قسم کے سامان اور اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے اسی قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور اسی بنا پر اس پر مواخذہ ہے۔ اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا، دونوں گمراہی ہیں۔ بُرا کام کر کے تقدیر کی طرف نسبت کرنا اور مشیتِ الٰہی کے حوالہ کرنا بہت بُری بات ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے اسے منجانب اللہ کہے اور جو برائی سرزد ہو اُس کو شامتِ نفس تصور کرے۔"

(بہار شریعت جلد اول، حصہ اول ص۷، ۸ مطبوعہ قادری بک ڈپو)

اہل سنت کا موقف امام اہل سنت کی زبانی: مجددِ دین وملت، امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"بس یہی عقیدۂ اہلسنّت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے نہ خود مختار بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حقیقت ہے جس کی کنہ، رازِ خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ثلج الصدر لإیمان القدر، ج۲۹، ص۲۹۹)

عاشقِ رسول علامہ محمد سردار احمد قادری

از۔ نائب محدثِ اعظم مفتی ابوداؤد محمد صادق قادری علیہ الرحمہ

نائب اعلیٰ حضرت ،محدثِ اعظم پاکستان ،شیخ الحدیث حضرت علامہ الحاج مفتی پیر ابوالفضل محمد سردار احمد قادری علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات کے متعلق باتیں تو بہت سی ہیں لیکن ان کی سب سے نمایاں بات اور تمام باتوں میں سرفہرست اور باقی باتوں کی محرک وموجب جو بات ہے وہ ہے: عشق ومحبتِ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

چنانچہ اس وقت ان کی جو سب سے نمایاں بات زبان زد خواص وعام ہے وہ یہی عشق ومحبت کی داستان ہے۔ ان کے اس وصف خاص کا اظہار صرف ان کی زبان پر ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ ان کے دل میں رچا ہوا اور رگ وریشہ میں سمایا ہوا تھا اور وہ بلا تکلف وتصنع اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ خلوت وجلوت میں وہ سب سے زیادہ جس بات کا ذکر فرماتے وہ یہی عشق ومحبت کی بات تھی اور ذکر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کی بناء پر دورۂ حدیث ان کی روحانی غذا تھی اور یہی چیز ان کی سب سے بڑی مسرت وشادمانی کا سامان تھی اور یہ بات صرف دارالحدیث، منبر ومحراب اور جلسہ وجلوس تک محدود نہ تھی بلکہ سفر وحضر میں سب جگہ اس کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ وہ ؎

جامی ثنائے یار کند انشراح صدر ☆ ہر دم وظیفہ گفتن نام محمد است

کا پورا پورا نمونہ تھے۔

دورۂ حدیث شریف کی تو غرض وغایت اور موضوع ہی یہی تھا وہ جس طرح احادیث کی تشریح کرتے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک وشیون وصفات کا بیان فرماتے اور درس حدیث کے اوّل وآخر ودرمیان میں قصیدہ بردہ شریف وعربی واُردو کا نعتیہ کلام جس طرح پڑھتے سنتے اور جھومتے تھے اور عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جس طرح ان کی آنکھوں سے داڑھی مبارک پر آنسو بہتے تھے اور حاضرین پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ ان کے دیکھنے والوں کو بخوبی یاد ہے اور وہی اس کیفیت کو جانتے ہیں۔ دارالحدیث کے باہر عارفِ جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی کتابت بھی ان کے عشق ومحبت کی مظہر ہے کہ:

خوشا مسجد ومدرسہ خانقاہے ☆ کہ دروے بود قیل وقالِ محمد

☆ انہوں نے ساری عمر مسجد ومدرسہ، منبر ومحراب اور اجتماعات واجلاس کو عشق وذکر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہار سے آباد ومعمور رکھا اور حسن اتفاق سے ان کے آخری مقام کا جس جگہ تعین ہوا، وہاں بھی صبح وشام ذکر پاک کا سلسلہ شروع ہے اور خانقاہ شریف کی ایک طرف سنی رضوی جامع مسجد اور دوسری طرف جامعہ رضویہ کا دارالحدیث ہے اور ان تینوں جگہوں میں ان کی اس روحانی غذا ودلی تمنا کا پورا پورا سامان ہے اور ؎

خوشا مسجد ومدرسہ خانقاہے ☆ کہ دروے بود قیل وقال محمد

کا مکمل نقشہ موجود ہے۔

☆ بسا اوقات آپ ریلوے اسٹیشن یا بس کے اڈہ پر پہنچے اور گاڑی وبس میں کچھ تاخیر ہوئی تو آپ نے قصیدہ بردہ شریف، نعت خوانی وذکر پاک کا سلسلہ شروع کرادیا۔ اسی طرح گاڑی چل رہی ہے اور اس میں نعت شریف وذکر پاک، وعظ وتقریر، مسئلہ مسائل اور مناظرہ کا سلسلہ جاری ہے اور پورا ڈبہ وتمام حاضرین آپ کے چہرہ کے انوار وذکر پاک سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ جہاں بیٹھتے ہیں جلسہ بن جاتا ہے، جدھر سے گزرتے ہیں جلوس ساتھ ہوتا ہے۔ آپ کے چہرہ کو دیکھ کر لوگ آپ کی طرف کھچے آتے

ہیں اور باتوں میں ایسی شیرینی وحلاوت اور درد وخلوص ہے کہ بیٹھنے والے اُٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ بسا اوقات منتظمین کو کھانا کھلانے، جلسہ میں لے جانے اور آرام کا موقع دینے کیلئے حاضرین سے معذرت کرنا پڑتی ہے اور انہیں اُٹھنے کیلئے گزارش کی جاتی ہے۔

☆ یہی منظر جنازہ مبارکہ پر تھا کہ لوگ دھکے کھا رہے ہیں لیکن ہٹنے کا نام نہیں لے رہے اور چاہتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہو ایک مرتبہ آخری جھلک دیکھ لیں، جنازہ کو کاندھا دے لیں، تابوت شریف کو ہاتھ لگا لیں..... غرضیکہ ایک عجیب نظارہ ہے اور سرکارِ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی اس دعا کا عملی جلوہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ ؎

واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سنی مرے ☆ یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا ☆ فرش سے ماتم اُٹھے وہ طیب وطاہر گیا

آغازِ تقریر: سننے والوں کو یاد ہوگا کہ جب آپ تقریر و وعظ کے لیے بیٹھتے تو عربی خطبہ کے بعد انتہائی پرسوز وعشق ومحبت میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں حاضرین سے فرماتے: ''تمامی احباب نہایت ہی اخلاص، ذوق وشوق اور اُلفت ومحبت کے ساتھ آقا ومولیٰ، مدینے کے تاجدار، احمدِ مختار، محبوبِ کبریا، سرورِ انبیاء، شہ ہر دوسرا، شب اسریٰ کے دولہا، عرش کی آنکھوں کے تارے، نبی پیارے ہمارے، نور مجسم، شفیع معظم، نبیٔ محترم، رسول محتشم، سرکارِ دوعالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی میں تین تین مرتبہ جھوم جھوم کر ہدیۂ درود وسلام عرض کریں، پیش کریں''۔ اس کے بعد آپ خود اور تمام حاضرین مجلس درود شریف پڑھنے میں محو ہو جاتے اور صلوٰۃ وسلام کے نغمات گونج اُٹھتے۔ آہ! وہ منظر آج بھی پیش نظر ہے۔ یہ نورانی الفاظ اب بھی دماغوں میں گونج رہے ہیں۔ لیکن کہنے والا نظر نہیں آتا۔ وہ دنیا سے ہمیشہ کیلئے پردہ فرما چکا ہے:

یاالٰہی کیا کروں دل حوصلہ پاتا نہیں ☆ آنکھیں جس کو ڈھونڈھتی ہیں وہ نظر آتا نہیں

آپ کے انہی الفاظ ودرود شریف کی برکت سے مجلس کا رنگ جم جاتا، حاضرین پر رقت وکیفیت طاری ہو جاتی اور ''علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد'' علم وفضل اور عشق ومحبت کے موتی لٹانے اور تقسیم فرمانے میں مصروف ہو جاتے۔ اس کے باوجود کہ آپ ایک مانے ہوئے چوٹی کے عالم اور صحیح معنوں میں جامع معقول ومنقول تھے اور اُردو زبان میں تقریر فرماتے تھے، آپ کی تقریر نہایت سادہ اور عام فہم ہوتی، آپ نے کبھی اپنا علم وفضل جتانے، حاضرین پر رعب جمانے اور باریک باتیں اور دقیق نکتے بیان کرنے کی کوشش نہیں کی۔

جذبۂ تبلیغ کا یہ عالم تھا کہ ہر جلسہ میں تقریباً تقریباً مذہب حق اہلسنّت وجماعت کے تمام عقائد ومعمولات کا بیان فرماتے چلے جاتے تاکہ ایک عامی آدمی اور ہر شخص پر مذہب اہلسنّت کی حقانیت آشکارا ہو جائے، مخالفین کے غلط شبہات کا ازالہ ہو جائے اور ہر دل میں عشق ومحبت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کا چراغ روشن ہو جائے۔ چنانچہ آپ اپنے اس طریقہ میں خاطر خواہ طور پر کامیاب ہوتے اہلسنّت کی حقانیت حاضرین مجلس کے دلوں پر نقش ہو جاتی۔ ایک عامی آدمی کو بھی اپنے مذہب سے واقفیت ہو جاتی اور وہ اپنے عقائد پر پختہ ہو جاتا۔ عموماً جہاں بھی آپکی تقریر ہوتی عوام پر اس کا گہرا اثر ہوتا اور وہاں کی کایا پلٹ جاتی اور لوگ آپ کے علم وفضل کے معترف اور ذات شریف کے گرویدہ ہو جاتے۔ اگرچہ عام مقررین کی طرح آپ کی تقریر میں لطیفہ بازی، عامیانہ باتوں، سوقیانہ انداز وپھبتیوں اور ٹھٹھا وتمسخر کا مواد نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی شعر وشاعری کا کوئی سامان تھا لیکن اس کے باوجود آپ کے خلوص وحقانیت اور عشق ومحبت کا یہ رعب تھا کہ سامعین پر آپ کے کلمات طیبات کا گہرا اثر ہوتا تھا اور لوگ آپ کی مجلس سے اپنی خالی جھولیاں بھر کر اُٹھتے تھے۔ آپ کا اندازِ بیان انتہائی باعظمت، پروقار، مشفقانہ اور ناصحانہ ہوتا تھا اور اصلاح عقائد کے ساتھ آپ اصلاح اعمال کی بھی تلقین فرماتے تھے جیسا بعض مقررین کا طریقہ ہوتا ہے کہ وہ مجمع کی قلت وکثرت سے

متاثر ہوتے ہیں، ''فیس'' کے معاملہ وکھانے پینے کے سلسلہ میں تقاضا وتکرار کرتے اور معترض ہوتے ہیں۔ آپ میں اِن میں سے کوئی بات نہ تھی اور آپ اِن سب باتوں سے بری تھے۔ آپ کا مقصد صرف سمجھانا وتبلیغ کرنا ہوتا تھا، آدمی تھوڑے ہوں یا زیادہ اس سے آپ متاثر نہ ہوتے تھے اور مسلسل بیان فرماتے جاتے تھے۔ یہ فیضانِ عشق ہی تھا کہ صرف آپ کا قال ہی عاشقانہ نہیں تھا بلکہ آپ کا حال بھی عشق ومحبت میں رنگا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صرف واعظ و مقرر اور عالم و فاضل ہی نہ تھے بلکہ اس کے ساتھ ہی نہایت متقی و پرہیز گار اور پابند شریعت وشیدائے سنت تھے اور اسی بناء پر آپ کو اپنے آقا ومولیٰ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نیازمندوں اور غلاموں کے ساتھ انتہائی شفقت ومحبت تھی اور گستاخانِ شانِ رسالت سے سخت نفرت وعداوت تھی۔ اہلسنّت سے مل کر اور سنیوں کا اجتماع دیکھ کر آپ کو بہت مسرت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ''جامعہ رضویہ'' کے سالانہ اجلاس پر احباب اہلسنّت جوق در جوق حاضر ہو رہے تھے اور آپ ان سے مل کر بڑی خوشی کا اظہار فرما رہے تھے اور ارشاد فرماتے تھے: ''سنی بمنزلہ ایک چراغ کے ہے، جتنے سنیوں کا اجتماع ہوگا اتنی ہی روشنی اور خیر وبرکت زیادہ ہوگی''۔

☆ ایک مرتبہ کرشن نگر لاہور میں مدرسہ ''حامدیہ رضویہ'' کے افتتاح کے سلسلہ میں آپ مفتی اعجاز ولی خان صاحب کے زیر اہتمام ایک منعقدہ جلسے میں بعد نماز ظہر تقریر فرما رہے تھے۔ دورانِ تقریر عصر کا وقت ہوگیا۔ آپ نے تقریر بند فرما کر نماز عصر باجماعت ادا فرمائی۔ عصر کے بعد پھر بیان شروع فرمادیا جو نماز مغرب تک جاری رہا، اللہ اکبر۔

☆ ایک بار ''اوّلین دارالحدیث'' میں ہم سراجی کا سبق پڑھ رہے تھے اور آپ میراث کے ایک مسئلہ پر تقریر فرما رہے تھے۔ دوران تقریر ایک حدیث کے سلسلہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اقدس آیا، تو آپ حضور ﷺ ہی کے فضائل بیان فرمانے لگے اور جو مسئلہ شروع تھا اس سے توجہ ہٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو اس کا احساس ہوا تو فرمایا ''مسئلہ تو میراث کا بیان ہو رہا تھا لیکن توجہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی شانِ اقدس کی طرف ہوگئی۔'' یہ کہنا تھا کہ آنکھوں میں آنسو آگئے اور ہم سے فرمایا کہ پڑھو۔

بود در جہاں ہر کسے را خیالے ☆ مرا از ہمہ خوش خیالِ محمد

چنانچہ آپ کی چشمان مبارک میں آنسو تیرتے رہے اور دارالحدیث عارف جامی علیہ الرحمہ کے اس نعتیہ کلام سے گونجتا رہا۔

☆ لائل پور میں آپ کا ابتدائی دور تھا، محلّہ نانک پورہ میں محفل میلاد شریف کا پروگرام تھا اور سردیوں کا موسم تھا۔ حاضرین سردی کے باعث سمٹ سمٹا کر بیٹھے تھے۔ نعت خوانی کے بعد آپ نے بیان فرمایا خطبہ عربی کے بعد آیۂ کریمہ " وما ارسلنك الا رحمةً للعالمين" تلاوت فرما کر ابھی اس کا ترجمہ بھی نہیں کیا تھا کہ مخالفین نے ایک منظّم پروگرام کے تحت تینوں اطراف سے بھرپور حملہ کیا، ایک اینٹ سامنے کی طرف سے آئی جو مائیکروفون کو لگ کر رُک گئی اور آپ بال بال بچ گئے۔ اسی طرح دائیں طرف اور پچھلی طرف کا حملہ بھی ذکر رسول پاک علیہ التحیۃ والسلام کی برکت سے ناکام ہوگیا لیکن دفعتاً اس شورش کے باعث مجمع جب کھڑا ہوا تو آپ کو اسٹیج پر تشریف فرما نہ دیکھ کر احباب بہت مضطرب ہوئے اور آپ کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگے کہ اچانک آپ ایک طرف سے نمودار ہوئے اور فرمایا: ''گھبراؤ نہیں، کوئی بات نہیں، میں حملہ کی شدت کے باعث اسٹیج سے نیچے اُتر آیا تھا اور اب پھر اسٹیج پر جارہا ہوں''۔ چنانچہ آپ دوبارہ اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے، فضا پُر جوش نعرہ ہائے تکبیر ورسالت سے گونج اُٹھی اور جہاں سے بیان رُکا تھا آپ نے وہیں سے شروع فرمادیا اور اپنے مخصوص انداز میں عظمت وشانِ رسالت پر نہایت پُر جوش بیان فرمایا مگر کیا مجال کہ حملہ آوروں کے متعلق ایک لفظ بھی زبان پر لائے ہوں یا ان کے اس ناپاک اقدام کے متعلق کچھ کہا ہو بلکہ دوران تقریر

جب بار بار نعرہ تکبیر ورسالت کے ساتھ محدث اعظم زندہ باد، قبلہ شیخ الحدیث زندہ باد کا نعرہ لگایا گیا تو آپ نے روک دیا اور فرمایا ''میرے نام کی بجائے صرف نعرۂ تکبیر ورسالت بلند کرو''۔ تقریر کے بعد سلام پڑھا گیا اور کامیابی کے ساتھ جلسہ کا اختتام ہوا۔ صبح آپ کے اس ایمان افروز بیان، تحمل و برداشت، زبردست اخلاق، بلند حوصلگی اور اپنی ذات کو زیر بحث نہ لانے اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرنے کا بہت چرچا ہوا اور بہت سے لوگ از خود مخالفین سے کٹ گئے اور دامنِ شیخ الحدیث سے وابستہ ہو گئے۔

سوتوں کو جگایا اور مستوں کو ہوشیار کیا
خواب میں تھے ہم شیخ الحدیث تو نے ہمیں بیدار کیا

☆ پیر محل میں مغرب کی نماز کے بعد آپ وظیفہ میں مشغول تھے کہ مخالفین میں سے چند لوگ حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ'' کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری آواز و درود وسلام سنتے ہیں؟'' آپ نے چٹائی پر اپنی انگلی مار کر فرمایا: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اِس آواز کو بھی سنتے ہیں، چہ جائیکہ ہماری آواز و درود وسلام''۔ آپ کے عقیدہ کی مضبوطی، اس انداز اور محبت بھرے الفاظ کا ایسا اثر ہوا کہ وہ حضرات وہیں تائب ہو گئے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل سماعت پر ایمان لا کر دائرۂ سنیت میں داخل ہو گئے۔

حاضریٔ مدینہ: اس کے باوجود کہ آپ قیامِ بریلی شریف کے دوران حج وزیارتِ مدینہ منورہ سے مشرف ہو چکے تھے۔ جب عارفِ جامی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر آپ کے سامنے پڑھا جاتا کہ:

مشرف گرچہ شد جامی زلطفش ☆ خدایا ایں کرم بارِ دگر کُن

تو آپ آبدیدہ ہو جاتے۔ آپ کا دل تو یہاں تھا لیکن جان مدینہ پاک میں تھی اور ؎

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے ☆ تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

والا معاملہ تھا۔ آخر آپ کا جوشِ عشق رنگ لایا اور ۱۹۵۶ء میں آپ نے سفر مدینہ کی تیاری مکمل فرمالی۔ مدینہ طیبہ کی روانگی سے قبل جمعہ شریف میں بڑی پر کیف والہانہ انداز میں تقریر فرمائی۔ جس میں سے بعض الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔ فرمایا:

''لائل پور والو! آباد رہو، مدینہ کے مسافر جا رہے ہیں۔ تم نے ہمیں کافی تکالیف پہنچائیں، ہر طرح پریشان و تنگ کرنے کی کوشش کی، تمہارا خیال تھا کہ یہ ایک تنہا آدمی ہے، ہم اس کو دبا لیں گے۔ تمہیں کیا معلوم شہنشاہِ بغداد، حضور داتا گنج بخش، خواجۂ غریب نواز اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (رضی اللہ عنہم) جیسی سرکاریں ہمارے ساتھ ہیں اور ہمیں ان کی پشت پناہی حاصل ہے''۔

اِس کے بعد عاشق مدینہ کی سواری جانب مدینہ روانہ ہوئی اور آپ ایک عجیب شان کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور ایک عجیب شان کے ساتھ واپس آئے۔

عشق ومحبتِ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ عالم تھا کہ حج سے قبل گیارہ روز مدینہ منورہ حاضری کے باوجود دل کو سیری نہ ہوئی اور حج کے لیے واپس آنے کے بعد مکہ مکرمہ سے دوبارہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور تقریباً ڈیڑھ ماہ یعنی پورے تینتالیس دن اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں حاضر رہے، خوب خوب دل کی پیاسیں بجھائیں اور مدینہ والے داتا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات سے فیض یاب وبہرہ ور ہوئے ؎

سو بار مدینے گر جاؤں کب دل کو سیری ہوتی ہے
دل نذر مدینہ کر آؤں یا دل میں مدینہ آ جائے

☆ ایک دفعہ آپ مدینہ منورہ کا عمامہ شریف باندھ رہے تھے جو اچھی طرح نہیں بندھتا تھا، فرمایا: ''یہ مدینہ منورہ کا عمامہ شریف ہے، ہمارے قابو میں کیسے آ سکتا ہے۔'' سبحان اللہ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آئینۂ منظر اسلام

وہ منظر اسلام جسے سرکارِ اعلیٰ حضرت نے ایک آلِ رسول کی فرمائش پر ۱۳۲۲ / ۱۹۰۴ء میں شہرستانِ عشق ومحبت بریلی شریف کی سرزمین پر قائم فرمایا۔

وہ منظر اسلام جس کی بے مثال تعمیر وترقی اور عظمت و رفعت حضور حجۃ الاسلام کی ارفع و اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا ایک خوبصورت استعارہ ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے گلشن علم وحکمت کی لازوال تروتازگی وشادابی میں سرکار مفتی اعظم ہند کا علمی وروحانی تصرف ہمہ وقت کارفرما ہے۔

وہ منظر اسلام جس کی رعنائیاں اور تابانیاں سرکار مفسر اعظم ہند کے بے مثال ایثار وقربانی اور خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

وہ منظر اسلام جس کی عالمی شہرت اور مرکزی حیثیت حضرت ریحان ملت کی قائدانہ صلاحیتوں کا ایک روشن ومنور نمونہ ہے۔

وہ منظر اسلام کہ شاہ راہ ترقی پر جس کی تیز گامی میرے والد محترم حضور صاحب سجادہ کی پر عزم، مستحکم اور مخلصانہ قیادت ونظامت کی درخشاں ودیدہ زیب تصویر ہے۔

وہ منظر اسلام جو ماضی قریب کے اکثر اکابر اہل سنت کا قبلہ علوم وحکمت ہے۔

وہ منظر اسلام جس نے قوم وملت کو ''تحریک تحفظ ناموس رسالت'' اور ''تحریک تحفظ عظمت اولیا'' کے بے شمار جانباز سپاہی عطا فرمائے۔

وہ منظر اسلام جو دینی وعصری علوم وفنون کے ساتھ اسلامی افکار ونظریات کی ترسیل وتبلیغ، عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے عروج وارتقا کے لئے شب وروز سرگرم عمل ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے فارغین کی ایک عظیم جماعت عالم سنیت کے خطہ خطہ میں مذہب ومسلک کی بے لوث خدمت کرنے میں مصروف کار ہے۔

وہ منظر اسلام جو اپنے تابناک ماضی کی ضیابار کرنوں کی روشنی میں اپنے روشن ومنور مستقبل کے خطوط متعین کر کے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

ہاں! یہی منظر اسلام آج آپ کے جذبۂ ایثار وتعاون کو آواز دے رہا ہے۔ آئیے! اور اس کے عروج وارتقا کے لئے دل کھول کر حصہ لیجئے تاکہ اعلیٰ حضرت کے اس عظیم ادارے کا یہ علمی وروحانی قافلہ یوں ہی اپنے سفر کی منزلیں طے کرتا رہے۔

فقیر قادری محمد احسن رضا

سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United PRINTERS BAREILLY

Monthly "Aala Hazrat" Urdu Magazine
84, Saudagran Street, Bareilly 243003-(U.P.)
Ph.: 2555624, 2575683-(Office)
Fax : 2574627 (0091-581)

R.N.P. NO. 6802/60 N.I.C.
POSTEL REGD. NO. U.P BR-175/2024-25
PUBLISHING DATE : 14th] EVRY ADVANCE MONTH
POSTING DATE : 18th
PAGES : 64 PAGE WITH COVER WEIGHT : 80 GRM

₹ 35/-
Editor : Mohammad Subhan Raza Khan (Subhani Mian)
March - 2024

دعوت خیر

طالبان علوم نبویہ کے قیام وطعام، منظر اسلام کے تمام شعبوں کے عروج وارتقا، دارالافتا کے عمدہ واحسن انتظام، لائبریریوں کی آرائش وزیبائش، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی مسلسل اشاعت، رضا مسجد کی زیب وزینت، خانقاہ رضویہ کی تب وتاب اور عرس رضوی کے وسیع انتظامات میں دل کھول کر حصہ لیں ۔

Printed Published & Owned by Mohammad Subhan Raza Khan "Subhani Mian" Printed at Raza Barqi Press, Moh. Saudagran Bareilly & Published at Office of Monthly Aala Hazrat 84, Saudagran Street Bareilly (U.P.)